وَلْتَكُن مِّنكُمْ ... اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے (ترجمہ کنزالایمان)

کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں • یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Monthly
DAWAT-E-ISLAM
INTERNATONAL
Karachi



ماہنامہ دعوتِ اسلام کراچی



Issue No.2 Vol.10, Oct. 2003. Rs.15.00

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسلام کے خلاف یہودیت کا گٹھ جوڑ

وہ حسد کی آگ میں جل رہا تھا؟

الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے مسلم گھرانوں میں لعنت داخل کی جارہی ہے

سعدیہ اشرف کی فکر انگیز تحریر

دعوت اسلام دلوں میں عشق رسول ﷺ کی آگ بھڑکا دینے والا فکر انگیز میگزین

ماہنامہ دعوت اسلام انٹرنیشنل کراچی

☆ جلد نمبر: 1 شمارہ نمبر 13 ☆ اکتوبر 2003

چیف ایڈیٹر	ناصر علی جہانگیر
ایڈیٹر	نشید اللہ فاروقی
ڈائریکٹر مارکیٹنگ	اشرف میمن
لے آؤٹ ڈیزائنر	اختر حسین
کمپیوٹر ڈیزائننگ	سید عرفان حسین زیدی
پبلشر	ناصر علی جہانگیر
پرنٹر	ہمدرد

اس شمارے میں

ضروری معلومات و ہدایات

پاکستان میں ہدیہ فی پرچہ =/15 روپے، سالانہ چندہ =/180 روپے، بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں، منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔ اگر پہلے خریدار ہیں تو اپنے خریداری نمبر کا حوالہ بھی دیں۔ لفافہ میں رکھ کر رقم ہرگز نہ بھیجیں، نہ نوٹ کی شکل میں نہ ٹکٹوں کی شکل میں۔ چندہ سالانہ کی میعاد ختم ہونے پر خریدار کو بذریعہ کارڈ اطلاع دی جاتی ہے۔ اس اطلاع کے بعد جب تک چندہ کی رقم موصول نہ ہوگی پرچہ کی ترسیل بند رہے گی، اگر پرچہ بذریعہ وی پی منگوانا مقصود ہو تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ وی پی کا خرچہ 180+12+10 روپے ملا کر وی پی پرچہ 202 روپے میں موصول ہوگا۔ لہٰذا اس زائد خرچہ سے بچنے کے لیے 180 روپے منی آرڈر کریں، کسی ماہ پرچہ 12 شمسی تک نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے دوبارہ طلب کریں ادارہ ہر ماہ 10 تاریخ تک تمام خریداران کو پرچہ بھجوا دیتا ہے۔ نہ ملنا محکمہ ڈاک کی کوتاہی ہوتی ہے، آپ کا خریداری نمبر آپ کے پتہ والی چٹ پر درج ہوتا ہے۔ اسے نوٹ فرمالیں اور خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیں۔

بیرونی ممالک: بیرون ملک پرچہ ترسیل پر ڈاک خرچ بہت زیادہ لگتا ہے اس لئے پرچوں کا ہدیہ بھی زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔ عرب امارات میں فی پرچہ 7 درہم، سالانہ چندہ 70 درہم ہے، کویت میں فی پرچہ نصف دینار سالانہ چندہ دس پونڈ ہے۔ امریکہ میں فی پرچہ دو ڈالر اور سالانہ چندہ بیس ڈالر ہے۔ جتنی رقم جس مقصد کے لیے بھجوائیں اس کی تفصیل ضرور لکھیں، خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

نرخنامہ اشتہارات: بیرونی صفحہ ٹائٹل فی اشاعت 5 ہزار، اندرونی صفحہ ٹائٹل فی اشاعت 2500 روپے عام صفحات فی صفحہ فی اشاعت 1500 روپے رقم اشتہارات کے ساتھ پیشگی ارسال کریں۔ دینی تبلیغی اداروں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔ اشتہار کی اشاعت ادارہ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فی پرچہ 15 روپے   سالانہ چندہ 180 روپے

ضرب اسلام ہاؤس 1/2 متصل شفقت پریس

نزد آئی آئی چندریگر روڈ کراچی فون: 2323630

''حمد باری تعالیٰ''

تو ہی ہے جہاں کا سہارا الٰہی
تو ہی آسراہ ے ہمارا الٰہی

تری ہی طرف سر جھکاتے ہیں ہم سب
ہے تو ہی ہمیں سب سے پیارا الٰہی

تو ہی ہر طرف ہے نمایاں نمایاں
تو ہی ہر طرف آشکارا الٰہی

پڑا وقت جب بھی کوئی آ کے ہم پر
تو ہم نے تجھی کو پکارا الٰہی

ترے ہی کرم سے ہیں ہم آج شاداں
تجھ ہی نے تو ہم کو سنوارا الٰہی

یہی تو ہے بہزاؔد کے دل کا ارماں
مدینے کا کرلوں نظارا الٰہی

''نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم''

جینے والو اس طرح دنیا میں جینا چاہیے
جو بھی عالم ہو نظر سوئے مدینہ چاہیے

اور کچھ حاجت نہیں ہے تجھ سے اے رب کریم
عشق احمد چاہیے یاد مدینہ چاہیے

اسوۂ سرکار ہی تو ہے صراط مستقیم
جس سے حق راضی رہے ایسا قرینہ

لے کے ان کا نام ہر طوفاں میں کشتی ڈال دو
تم کو گر اپنا کنارے پر سفینہ چاہیے

عشق احمد ہی وہ دولت ہے کہ جو گھٹتی نہیں
عشق احمد ہی سے بس معمور سینہ چاہیے

عشق احمد، یاد بطحیٰ اور کیف زندگی
یہ خزینہ، یہ خزینہ، یہ خزینہ چاہیے

جس جگہ بہزاد دل کھوئے وہاں سے آئے کیوں
بس مدینہ ہی میں مرنا اور جینا چاہیے

صدام کا ہوا ......

امریکی استعمار لرزہ براندام

محسن فارانی

"حملے ہوتے رہتے ہیں اور زمین پر لڑنے والے فوجیوں کو جنگ ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ صدام اپنے سرمائے اور اپنے فدائیوں کے ساتھ ہوا بنا ہوا ہے اور اس کی تمام تر جنگی حکمت عملی نے غالباً گوریلا جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے۔"

ان الفاظ میں امریکی جریدہ نیوز ویک نے "صدام ابھی تک لڑ رہا ہے" کے زیر عنوان اعتراف کیا ہے کہ بش اور بلیئر کی عراقی جنگ بری طرح ناکام رہی ہے۔ آئے دن کہیں نہ کہیں اتحادی فوجیوں پر حملے ہوتے ہیں اور امریکی فوجیوں کے لاشے امریکا پہنچتے رہتے ہیں۔ جریدے نے 3 مئی سے 9 جولائی تک عراق میں مرنے والے 88 اتحادی فوجیوں کی تصویریں بھی دی ہیں۔ ان ہلاکتوں کی وجہ سے امریکہ میں بش کی مقبولیت میں خاصی کمی ہوئی ہے اور صدر بش کے خلاف مظاہرے بھی شروع ہو گئے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق عراق سے امریکی فوجیوں کی واپسی میں تاخیر اور ان پر عراقی حریت پسندوں کے متواتر حملوں کے بعد امریکی فوجیوں کی بیگمات اور ماؤں نے صدر بش کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا آغاز کر دیا ہے۔ عراق کے خلاف ظالمہ فوجی کارروائی کے وقت صدر بش کو جو عوامی رائے کی حمایت حاصل تھی اس میں زبردست کمی ہوئی ہے۔

امریکی عوام اب صدر بش سے طرح طرح کے سوال کر رہے ہیں جو امریکی انتظامیہ کے لیے سیاسی بحران کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ صدر بش اور نائب صدر ڈک چینی پر عوام اور پریس کی طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے کہ انہیں عراق پر حملے کے لیے جو معلومات دی گئیں وہ حقائق پر مبنی نہیں تھیں۔ اب امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل بڑی ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ افریقی ملک نائیجر سے عراق کے یورانیم خریدنے کی بات مصدقہ نہیں تھی اور اس کا ذکر صدر بش کے اسٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔

عراق میں اس وقت امریکا کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج "امن" قائم کرنے میں مصروف ہے مگر امن نامی چڑیا کا دور دور تک پتا نہیں۔ عراق میں تعینات امریکی تھرڈ انفنٹری ڈویژن کو ستمبر کے آخر تک امریکا واپس چلے جانا تھا مگر اب اس کی واپسی میں تاخیر ہو رہی ہے۔ عراق میں امریکا ہر ماہ 4 ارب ڈالر خرچ کر رہا ہے اگلے بجٹ تک یہ اخراجات 475 ارب ڈالر سالانہ تک پہنچ جائیں گے، اب تک عراق کی جنگی مہم پر پینٹاگون 48 ارب ڈالر خرچ کر چکا ہے۔ انہی بھاری اخراجات کے پیش نظر امریکا نے عراقی تیل کم از کم دس برس کے لیے اپنے پاس گروی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔



امریکی فوجی عراقی کرنسی کی لوٹ مار کر رہے ہیں

16 جولائی کو بھی عراق میں 3 امریکی مارے گئے۔ اس دوران فلوجہ شہر میں 5 حملہ آور حریت پسند شہید ہوگئے۔

عراق کے دارالحکومت بغداد کے مشرق میں امریکی فوجی چوکی کے نزدیک ایک بم دھماکا ہوا، جس میں ایک امریکی فوجی موقع پر ہلاک جبکہ 2 زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں ایک کی حالت نازک تھی حلہ شہر میں ایک امریکی فوجی عمارت کی چھت سے گر کر ہلاک ہو گیا جو وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ بغداد کے مغرب میں ایک امریکی فوجی قافلے پر بھی نامعلوم حملہ آوروں نے راکٹ گرینیڈ سے حملہ کیا جس سے ایک امریکی ہلاک اور 5 زخمی ہوگئے، یہ حملہ ابوغریب جیل کے نزدیک کیا گیا۔ منصور (بغداد) کے علاقے میں بھی ایک گرینیڈ حملے کے دوران 2 امریکی فوجی 6 عراقی زخمی ہوگئے۔ دارالحکومت کے جنوبی علاقے دریان میں 2 فوجی زخمی ہوگئے بغداد ایئرپورٹ پر امریکی سی 130 فوجی ٹرانسپورٹ طیارے پر زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل سے حملہ کیا گیا، تاہم طیارہ محفوظ رہا۔

گزشتہ ایک ہفتے کے دوران امریکیوں نے صدام

بھی وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے جو دنیا کے ہر معاملے میں ہم اختیار کرتے ہیں۔

ہمارا جسم بھی ہے اور جسم کے اندر ایک روح بھی ہے...... جسم فنا ہونے والا ہے، ہم اپنی آنکھوں سے فنا ہوتے دیکھتے ہیں، روح فنا نہیں ہوتی وہ ہماری یادوں میں بھی زندہ رہتی ہے، مگر ہمیں ہر وقت جسم کی فکر رہتی ہے، روح سے بے خبر ہیں، ہمیں روح کی خبر لینی چاہئے اور وہ دین فطرت ہے جو ہمارے جسم کے ساتھ ساتھ ہماری روح کو بھی جلا دیتا ہے، ہمیں یہاں بھی کامیاب کرتا ہے اور وہاں بھی، آنکھ بند ہو کر ایک نئے جہاں میں کھلے گی وہاں کا بھی تو ساز وسامان ہونا چاہئے ہمیں عقل، و دانائی سے کام لینا چاہئے اور دونوں جہان میں کامیابی کے لئے قدم آگے بڑھانا چاہئے۔ ہم کو خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے اپنے وطن میں اور اپنے گھر میں آنا چاہئے اور دین فطرت کو گلے لگانا چاہئے۔

خوشبو

علامہ محمد منور احمد حضرت مفتی اعظم علیہما الرحمہ

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "صحت کے انوار اس متن (ذات نبوی ﷺ کے گوشوں پر جھلک رہے تھے" جب ہی تو صدیق اکبرؓ سے سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابو بکر۔

"یعنی مجھے ٹھیک ٹھیک جیسا کہ میں ہوں کسی نے میرے رب کے سوا نہیں دیکھا" جس کسی نے دیکھا اپنی قابلیت کے لحاظ سے دیکھا لیکن حقیقت مصطفی ﷺ کو رب کے علاوہ کسی نے نہ دیکھا ایک عاشق کہتا ہے۔

ترا چناں کہ توئی دیدہ کجا بیند؟
بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

غور کیجئے! بشریت سرکار محمد ﷺ کا خاکہ پیش کروں، امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جس راستہ سے گزر فرماتے تو تلاش کرنے والا جان لیتا کہ اس راستے سے گزر فرمایا ہے کہ وہ خوشبو سے مہک جاتا تھا، محدث اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ خوشبو، استعمال خوشبو سے تھی بلکہ یہ خلقاً حقیقی خوشبو تھی اور پیدائشی آپ کا جسم مبارک مطہر تھا، شیخ محقق، مدارج شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اس کی سسرال رخصت کرنا چاہا خوشبو نہ تھی، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کچھ خوشبو مل جائے، حضور ﷺ نے شیشی طلب فرمائی اور اس میں عطر ڈالا اور اپنا پسینہ معطر سے تھوڑا سا پسینہ بھی ڈال دیا اور فرمایا کہ اسے لگا دو، جو اس نے یہ خوشبو لگائی تو تمام مدینہ معطر ہوگیا، یہاں تک کہ اہل مدینہ نے اس گھر کا نام بیت الطیبین رکھا، فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ چاہے دلہن پھول

حضور ﷺ کے دست مبارک وہ تھے جس مریض پر وہ دست شفا پہنچا، مرض دور ہو گیا نہیں نہیں بلکہ اس مریض میں جان آ گئی...... انگشت مبارک سے اگر سورج کو لوٹنے کا حکم فرماتے ہیں تو آفتاب غروب ہونے پر افق آسمانی پر طلعت ریز ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کے دست مبارک وہ تھے جس مریض پر وہ دست شفا پہنچا، مرض دور ہو گیا نہیں نہیں بلکہ اس مریض میں جان آ گئی.......... انگشت مبارک سے اگر سورج کو لوٹنے کا حکم فرماتے ہیں تو آفتاب غروب ہونے پر افق آسمانی پر طلعت ریز ہوتا ہے۔

چہرہ اقدس کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے اور روئے زیبا کی تابشوں کا یہ منظر ہے کہ آفتاب نبوت، مہتاب رسالت کی چمکیلی کرنیں جب سینہ پاک ابن رواحہؓ پر پڑتی ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں۔

ترجمہ:

یعنی اے لوگو! اگرچہ آپ معجزات اور آیات بینات، پیش نہ بھی فرماتے، تب بھی آپ کا چہرہ وہ تھا کہ نبوت کی خبر دے رہا تھا یعنی انوار نبوت و رسالت جھلک رہے تھے، اس روئے جاناں میں۔

رکعات وتر کی تحقیق

مذہب حنفی میں وتر کی تین رکعات معین ہیں اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ (اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ جن میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا انسؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ ابو امامہؓ، حضرت جابر بن حضرت علقمہؓ، حضرت مکحولؒ حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہی معمول تھا اور اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے)

مذہب حنفی میں وتر کی تین رکعات معین ہیں اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ (اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ جن میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا انسؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ ابو امامہؓ، حضرت جابر بن حضرت علقمہؓ، حضرت مکحولؒ حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہی معمول تھا اور اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے)

دو سلاموں کے ساتھ تین رکعتیں پڑھنا، یا صرف ایک رکعت بطور وتر پڑھنا۔ احناف کے نزدیک جائز نہیں۔

دلائل احناف

(1) حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی جس میں واضح طور پر بیان کیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

وہ الفاظ یہ ہیں...... ترجمہ: "یعنی نماز تہجد کے بعد رسول اکرم ﷺ تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت کو امام مسلم نے صحیح مسلم مطبوعہ دار السلام الریاض میں (الحدیث 1723) اور امام نسائی نے سنن نسائی

مطبوعہ دارالسلام الریاض صفحہ 243 (الحدیث 1698) میں روایت کیا۔

(2) امام ترمذی نے ترمذی شریف مطبوعہ دارالسلام الریاض صفحہ 123 (الحدیث 563) حضرت بی بی عائشہؓ سے روایت کیا۔

ترجمہ:

یعنی ''حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے، دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھتے تھے۔

(3) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے وتر کی تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر مغرب کی تین رکعت ہیں (رواہ دارقطنی 28/2 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

مذکورہ بالا روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہوا کہ وتر تین رکعات ہیں، اب رہی یہ بات کہ تین رکعات ایک سلام کے ساتھ یا دو سلاموں کے ساتھ، مذکورہ ذیل روایات سے یہ امر بھی واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ وتر تین رکعت بیک سلام پڑھتے تھے۔

(1) امام نسائی نے نسائی شریف، مطبوعہ دارالسلام الریاض صفحہ 243 (الحدیث 1702) میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی۔

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے اور سلام صرف آخر میں پھیرتے تھے۔

(2) امام حاکم نے المستدرک مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت صفحہ 607 (الحدیث 1180) حضرت بی بی عائشہؓ سے روایت کی۔

''رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے (بلکہ تین رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے)

اسی روایت کو امام نسائی نے سند حسن اور امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تین رکعات بیک سلام اور صحابہ کرامؓ

(1) حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے

فرماتے ہیں کہ ہم نے سیدنا ابوبکرؓ کو رات میں دفنایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے نماز وتر نہیں پڑھی آپ اٹھے ہم نے آپ کے پیچھے صف بندی کی آپ نے ہمیں تین رکعات (وتر) پڑھائیں سلام صرف آخر میں پھیرا (رواہ الطحاوی مطبوعہ بیروت 293/1 فی شرح معانی الاثار)

(2) حضرت ثالث بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے تین رکعات نماز وتر پڑھی اور صرف آخر میں سلام پھیرا۔

علاوہ ازیں ایک سلام کے ساتھ تین رکعات وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ وتر ایک سلام کے ساتھ بلافصل تین رکعت ہے اور اسی پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غم اور ضبط

دکھ سکھ، رنج وخوشی۔ راحت وتکلیف کے مواقع ہر شخص کی زندگی میں آتے رہتے ہیں .. یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ خوشی کے وقت تو انسان اپنے جامے میں پھولا نہ سمائے اور اسے اپنی دانش مندی کا کمال اور قسمت کی بلندی کی علامت خیال کرے اور اگر خدانخواستہ حالات ناسازگار ہو جائیں تو پھر شکایتوں اور حکایتوں کے دفتر کھول کر بیٹھ جائے۔ دراصل پریشانیاں کسی شخص پر اس لئے آتی ہیں کہ انسان سنبھل جائے، خبردار ہو جائے اور اپنے رب سے تعلق مستحکم کر کے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے کہ اسی میں فلاح ہے، ہدایت ہے، کامیابی ہے اور پھر بندہ کا عقیدہ جب یہ ہو کہ میرا ہے ہی کیا سب کچھ تو میرے معبود کے اختیار میں ہے تو پھر وہ کسی نقصان یا کسی کے بچھڑ جانے سے غمگین و پریشان نہیں ہوتا۔

مومن کی بھی عجب شان ہے اسے اگر کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے رب کا انعام سمجھ کر سجدہ شکر بجالاتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ ہراساں ہونے کی بجائے صبر وضبط سے کام لیتا ہے۔ پھر زندگی کے سفر میں آزمائش اور پریشانیاں تو آتی ہی رہتی ہیں لیکن وہ ان کو بھی نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آزمائش جتنی شدید ہوتی ہے اس کے رب کی طرف سے اجرو ثواب اتنا ہی عظیم ہوتا ہے۔ پھر امتحان اگر سخت بھی ہو اور انسان صبر واستقامت اور ہمت وثابت قدمی سے کام۔ لے تو درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ یہ فضیلت بھی کیا کم ہے کہ معبود حقیقی تسلی تشفی کا مرہم غمگین دلوں پر لگاتے ہوئے فرماتا ہے ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور وہ صابرین کو بے حد اجر سے نوازے گا اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔''

دیکھئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ آپ نے قید وبند کی تمام صعوبتوں اور دیگر تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن حرف شکایت کبھی زباں پر نہ آیا بلکہ اس مرد حق نے قید خانہ کے اندر بھی تبلیغ دین اور اشاعت حق کا مقدس مشن جاری رکھا۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتی چلی گئی۔ تکالیف کی شدت بڑھتی گئی لیکن اس مرد درویش کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اس کے برعکس قید میں جو سکون آپ کو حاصل ہوا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''بچے سمجھتے ہیں کہ مزہ صرف شیرینی میں ہے لیکن جو تلخی سے مزہ لینے لگتا ہے اس کے نزدیک تو شیرینی ہیچ ہے۔''

بعض لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ بادشاہ جہانگیر کے لئے بددعا کیجئے جس کی وجہ سے آپ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا میں بادشاہ کے لئے بددعا کیوں کروں۔ بلکہ میں تو ان کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے مجھے ایک عظیم سعادت حاصل ہو گئی کیونکہ اگر بادشاہ مجھے قید خانہ میں نہ بھیجتے تو اتنے ہزار افراد دینی فوائد سے محروم رہ جاتے۔ یہ میرے رب کا بڑا انعام ہے۔

اللہ اللہ اسباب تکالیف کو ذرائع راحت سمجھنا اور پھر ان سے کیف وسرور حاصل کر کے اسے اپنے معبود کی طرف سے ایک عظیم نعمت جاننا۔ یہ سب کچھ مومن کے علاوہ اور کس کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ بادشاہ جہانگیر کے لئے بددعا کیجئے جس کی وجہ سے آپ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا میں بادشاہ کے لئے بددعا کیوں کروں۔ بلکہ میں تو ان کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کیوجہ سے مجھے ایک عظیم سعادت حاصل ہو گئی کیونکہ اگر بادشاہ مجھے قید خانہ میں نہ بھیجتے تو اتنے ہزار افراد دینی فوائد سے محروم رہ جاتے۔ یہ میرے رب کا بڑا انعام ہے۔

میں شریک حیات کو واپس گھر لانا چاہتا ہوں

ایک دفعہ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اوس بن صامتؓ نے اپنی اہلیہ حضرت خولہ بنت ثعلبؓ کی طرف سے محبت کے جواب میں سرد مہری پائی تو غصے میں آ کر کہہ دیا ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے۔''

''ظہار'' زمانہ جاہلیت میں عورت کے لیے سخت ترین سزا اور تکلیف دہ طلاق تھی کیونکہ ظہار کے بعد میاں بیوی کسی صورت بھی اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ حضرت خولہ بنت ثعلبؓ ظہار کے برے انجام کا سوچ کر کانپ اٹھیں۔ حضرت اوس بن صامتؓ ان کے بچوں کے والد تھے۔ ان کی زندگی کے بہترین ساتھی تھے۔ انہوں نے ساری زندگی ان کے ساتھ انتہائی خوش اسلوبی اور حسنِ معاملت کے ساتھ گزاری تھی۔ اب بڑھاپے میں وہ کیسے ان سے دور ہو سکتی تھیں؟

حضرت خولہ بنت ثعلبؓ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بارگاہِ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

''یا رسول رحمت میں نے اور میرے خاوند اوس بن صامتؓ نے جوانی کے دن ہنسی خوشی گزارے ہیں۔ ہم میں کبھی رنجش یا تلخی نہیں ہوئی، اب جبکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں تو اوس نے مجھے ماں کی طرح اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر انہیں والد کے سپرد کرتی ہوں تو ان کی پرورش ٹھیک طرح نہیں ہو سکے گی اور اگر اپنے پاس رکھوں تو میرے پاس ان کی خوراک کا مناسب بندوبست نہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں؟ آپ ہی میری مدد کیجئے اور معاملے کو سلجھائیے۔''

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خولہ بنت ثعلبؓ کی روداد سنی تو آپ کا دل بھر آیا لیکن آپ تو رب کائنات کے حکم کے پابند تھے۔ آپ تو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں تھے۔ جو ارشاد فرماتے وہ وحی خداوندی ہوتا تھا۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو نافذ فرمانے والے تھے۔

چونکہ ابھی تک ظہار کے بارے میں کوئی آیت نہیں اتری تھی اس لیے رسول رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ ثعلبؓ سے فرمایا:

''اے خولہ! تیرے سوال کا ابھی میرے پاس کوئی جواب نہیں۔''

حضرت خولہ بنت ثعلبؓ سخت بے چین اور بے قرار تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ لمحہ لمحہ جاں گداز اور جان لیوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت خولہ کے محسوسات کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن آپ خاموش تھے کیونکہ ظہار کے بارے میں حکم خداوندی نازل نہیں ہوا تھا۔

حضرت خولہ بنت ثعلبؓ نے بار بار بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی۔ ان کی آہ و زاری میں روز بروز شدت آتی گئی۔ وہ جب بھی بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال کرتیں تو انہیں یہی جواب ملتا کہ ابھی تک رب رحمٰن و رحیم کا فیصلہ نہیں پہنچا۔ جب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تو حضرت خولہ بنت ثعلبؓ بارگاہ رب رحمٰن و رحیم میں گڑگڑا کر التجا کرتیں۔ ''اے میرے مالک! تو مشکل کشا ہے، میری مشکل کو جلد آسان فرما دے۔ میری دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخش۔ مجھ پر رحم کر۔ اپنے کرم کی بارش کر۔ اپنی رحمتیں، برکتیں اور وسعتیں نازل فرما۔''

پروفیسر خالد پرویز

حضرت خولہ بنت ثعلبؓ کی دعائیں رنگ لائیں اور بالآخر رب کائنات کی طرف سے وحی نازل ہوئی:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ نہیں ہیں ان کی مائیں سوائے ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔'' (المجادلہ)

اس بشارت کے ساتھ ساتھ ظہار کی تلافی کا طریقہ بھی نازل فرما دیا گیا کہ اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے تو کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے۔ اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی ہمت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

حضرت خولہ بنت ثعلبؓ کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ دل کو سکون اور روح کو قرار ملا۔ چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ کیونکہ رب رحمٰن و رحیم نے ان کی دعائیں قبول کر لی تھیں۔ ان کی تمنا پوری ہو گئی تھی۔ وہ اب سوچ رہی تھیں کہ ان کی تمام مشکلات حل ہو گئی ہیں۔ وہ اب پھر ہنسی خوشی اپنے خاوند کے ساتھ مل کر اپنے بچوں کی پرورش کریں گی اور پہلے کی طرح مسرت و انبساط کے ساتھ زندگی کے دن گزاریں گی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن صامتؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: ''اے اوس! تم نے یہ کیا کیا؟''

حضرت اوس بن صامتؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! دراصل شیطان نے مجھے دھوکا دیا۔ میں طیش میں آ گیا اور یہ کام کر بیٹھا۔ میں اب بہت نادم ہوں۔ کیا تلافی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ میں اپنی شریک حیات کو واپس گھر لانا چاہتا ہوں۔''

رہبر کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن صامتؓ کو وحی کی آیات سنائیں تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اے اوس! کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟'' حضرت اوس بن صامتؓ نے کہا ''واللہ نہیں، اس کی مجھ میں استطاعت نہیں۔'' نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ ''کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟''

حضرت اوس نے کہا: ''یا رسول اللہ مجھ میں روزے رکھنے کی ہمت نہیں۔ میں جب تک روزانہ دو مرتبہ کھانا نہ کھاؤں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے میں بھوک سے مرا جاتا ہوں۔''

ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟'' اس نے عرض کی: ''یا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صدقہ کے مال سے میری اعانت فرمائیں تو یہ ہو سکتا ہے۔'' خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن صامتؓ کی مدد فرمائی اور یوں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بعد ان کی زوجہ محترمہ ان پر حلال ہو گئیں۔ یوں رب کائنات نے مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کی اس برائی سے بچنے کا ایک طریقہ عطا فرما دیا۔ اس طرح جاہلیت کی ایک رسم کا خاتمہ ہو گیا۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ مسلکاً حنفی و قادری تھے

تحریر: ڈاکٹر مسعود احمد

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن قدس سرہ العزیز نسباً علوی، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے.........1362ھ/1836ء میں چھور شریف (ہری پور ہزارہ پاکستان) میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ قرآن کریم کے علاوہ کسی سے کچھ نہیں پڑھا، امی تھے مگر دل و دماغ روشن، دانش نورانی سے منور، قدرت الٰہی کی عظیم نشانی

ابھی آٹھ سال کے تھے کہ والد ماجد حضرت خواجہ خضری علیہ الرحمہ وصال فرما گئے......... جس کو مولیٰ تعالیٰ براہ راست اپنی کفالت میں لیتا ہے اس کو دنیا میں یوں بے آسرا چھوڑ دیتا ہے اور اپنی ایسی لگن عطا فرماتا ہے کہ دنیا دیکھتی رہ جائے......... والد ماجد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے ریاضات و مجاہدات کی طرف توجہ فرمائی اور چھوٹی عمر میں ایسی سخت چلہ کشی کی جو اہل دنیا کے لئے ناقابل فہم ہے اور اہل فطن کے لئے موجب حیرت و استعجاب......... چلہ کشی کے بعد شیخ کامل کی تلاش میں سابق ریاست سوات کے دارالحکومت سیدو شریف پہنچے وہاں شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبدالغفور علیہ الرحمہ المعروف بہ اخون صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھتے ہی بیساختہ ارشاد فرمایا۔

یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے!

سبحان اللہ!

گر فردوس برروئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اخون صاحب علیہ الرحمہ، حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے منتظر تھے......... حضرت اخون صاحبؒ نے دعا فرمائی جس کے اثرات حضرت خواجہؒ نے محسوس کئے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''جس وقت اخون صاحبؒ نے اپنے دست مبارک دعا کے لئے اٹھائے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ساتوں آسمانوں کا بوجھ میرے اوپر آ گیا ہے اور جب دعا سے فارغ ہوئے تو وہ بوجھ وسعت فرحت و انبساط کے ساتھ بدل گیا۔''

حضرت خواجہؒ نے حضرت اخون صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے دریافت کیا۔

''رات کو خواب میں کچھ دیکھا ہے''

حضرت خواجہؒ نے عرض کیا

''جس مقام پر چلہ کیا کرتا ہوں وہ جگہ دیکھی ہے''

حضرت اخون صاحبؒ نے فرمایا۔

''اسی جگہ میں جا کر قیام پذیر ہو جایئے، کہیں مت جایئے آپ کے پیر صاحب آپ کے مکان پر آ کر آپ کو مرید فرما لیں گے۔''

حضرت خواجہ سلاسل عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کے علاوہ اور بہت سے سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی مثلاً اکبریہ، کبرویہ، شاذلیہ، جنیدیہ، رفاعیہ، بدویہ، مداریہ، دسوقیہ، خلوتیہ، ادریسیہ، وغیرہ وغیرہ......... یہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کے شیوخ طریقت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آپ واپس چھور شریف پہنچے تو کچھ عرصہ کے بعد کشمیر سے حضرت یعقوب شاہ گنی چھتریؒ ہری پور ہزارہ تشریف لائے اور حضرت خواجہؒ کے دولت خانے پر تشریف لا کر بیعت فرمایا اور آپ کے حضرت والد ماجد خواجہ خضریؒ کا جانشین بنا کر اجازت و خلافت سے نوازا۔

حضرت خواجہ سلاسل عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کے علاوہ اور بہت سے سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی مثلاً اکبریہ، کبرویہ، شاذلیہ، جنیدیہ، رفاعیہ، بدویہ، مداریہ، دسوقیہ، خلوتیہ، ادریسیہ، وغیرہ وغیرہ......... یہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کے شیوخ طریقت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ، حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت امام حسنؓ، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام محمد باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت کاظمؓ، حضرت امام موسیٰؓ، حضرت خواجہ معروف کرخیؒ، حضرت خواجہ ابی الحسن السری السقطی، حضرت جنید بغدادی، حضرت ابی بکر جعفر بن یوس الشبلی، حضرت خواجہ عبدالواحد التمیمی، شیخ ابی الفرج الطرطوسی، شیخ ابی الحسن علی الهنکاری، شیخ ابی سعید علی المبارک المخزومی، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، شیخ عبدالرزاق، شیخ ابی صالح نصر، حضرت شید سید شہاب الدین، شیخ شرف الدین یحییٰ قطب، شیخ شمس الدین محمد، شیخ علاؤ الدین علی، شیخ بدرالدین حسین، شیخ شرف الدین یحییٰ ثانی، خواجہ سید شرف الدین قاسم، خواجہ سید احمد، خواجہ سید حسین، خواجہ سید عبدالباسط، حضرت سید عبدالقادر ثانی، سید محمود رضی، خواجہ سید عبداللہ شاہ، حضرت شاہ عنایت اللہ، شیخ حافظ احمد شیخ، عبدالصبور خواجہ سلطان گل محمد، خواجہ شیخ محمد رفیق، خواجہ شیخ عبداللہ، شیخ محمد انور شاہ، شیخ محمد یعقوب، حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوروی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھورویؒ کے علمی اور روحانی مدارج کا کیا ذکر کیا جائے عاشق رسول ﷺ تھے......... گری

صدی سے زیادہ عرصے تک سلطنت کی قیمت ادا کرتے رہے اور بیک وقت کئی محاذوں پر لڑتے رہے۔ اب یہ واضح نہیں کہ امریکی جن کا زاویہ نگاہ کمتر ہے اور ان میں باقی دنیا سے الگ تھلگ رہنے کا زیادہ رجحان پایا جاتا ہے، وہ ایک ایسی جنگ کو جاری رکھنے میں کس قدر ثابت قدم ہوں گے جس کے لیے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوجی درکار ہیں۔ اس پر ہر ہفتے ایک ارب ڈالر خرچ آتے ہیں اور جنرل فرینکس کے بقول وہ مزید چار سال جاری رہ سکتی ہے۔ پھر نیوز ویک کہتا ہے کہ "صدام اور ان کے دو بیٹوں عدی اور قصی کو پکڑ لیا گیا تو اس سے عراقیوں کی مزاحمت ختم کرنے میں مدد ملے گی۔" (امریکیوں نے صدام کی گرفتاری پر اڑھائی کروڑ ڈالر اور عدی اور قصی کے لیے ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ ڈالر انعام رکھا ہوا ہے)

لیکن یہ نیوز ویک اور وائٹ ہاؤس اور پینٹا گان کے گرگوں کی بھول ہے کہ مزاحمت جلد ختم ہو جائے گی اور یہ کہ جہادِ عراق چھوٹی گوریلا جنگ ہے۔ امریکیوں کی ٹاسک فورس 20 کے خفیہ خصوصی دستے عراق بھر میں صدام کی تلاش میں شکاری کتوں کی طرح بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ واشنگٹن میں ایک سینئر انٹیلی جنس افسر نے کہا کہ صدام "کل" پکڑا جا سکتا ہے یا کبھی نہیں۔" اور سی آئی اے کے ایک افسر نے یاد دلایا کہ صدام اب بھی امیر ہے اور وہ اپنے تحفظ کے لیے سرمایہ خرچ کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے نیوز ویک نے یہ اعتراف کیا ہے کہ صدام ایک گوریلا تحریک کھڑی کر سکتا ہے۔ گزشتہ ہفتے صدام کے آبائی قصبے تکریت میں امریکیوں نے ایک گاڑی روکی تو اس میں سے راکٹ لانچر، 40 ہزار ڈالر کے نئے نوٹ اور عراقی دیناروں سے بھرے دو بڑے تھیلے برآمد ہوئے۔ گاڑی کے ساتھ گرفتار ہونے والے بعثی ارکان کی طرح فدائین اپنے ہاتھوں پر مخصوص نشان بنواتے ہیں...... یعنی تیروں سے چھلنی دل، بد دماغ امریکی وزیر دفاع ان حریت پسندوں کو Dead-enders یعنی" اندھے جانباز" کہنا پسند کرتا ہے۔ نیوز ویک نے انہیں صدام کے وفادار یا غیر ملکی دہشت گرد اور "جہادی" یا محض ناراض نوجوان قرار دیا ہے جن کے پاس کلاشنکوفیں تو ہیں لیکن کوئی کام نہیں۔

بات صرف اتنی نہیں۔ امریکیوں نے افغانستان کے بعد ایک اور اسلامی ملک پر ننگی جارحیت کی ہے اور اس کے معدنی وسائل لوٹنے اور اسرائیل کے بچاؤ کے لیے عراق پر فوجی تسلط جما لیا ہے۔ فلسطین پر قابض صیہونی غنڈوں کے سرپرست امریکی حکمرانوں کو ہر دو اسلامی ملکوں پر وحشیانہ جارحیت مہنگی پڑے گی۔ اسلامی ممالک کے کٹھ پتلی حکمران کب تک امریکا کی بیساکھیاں بنے رہیں گے؟ یہود و نصاریٰ کو یہ گیم ویتنام سے کہیں مہنگی پڑے گی۔ امریکی فوجیوں کے لاشے جہاں خوست، گردیز اور قندھار سے برابر امریکا پہنچ رہے ہیں وہاں فلوجہ، بغداد، تکریت اور بلد سے بھی تابوتوں کے تحفے امریکا ارسال کیے جا رہے ہیں۔ 18 جولائی کو فلوجہ میں بارودی سرنگ پھٹنے سے ایک امریکی ہلاک اور ایک گھات حملے میں 3 فوجی زخمی ہو گئے۔ دوں فطرت جارج بش نے افغانستان پر حملے سے "پہلے صلیبی جنگ (Crusade) شروع کرنے کا اعلان کیا تھا اور ہندوکش کی وادیوں اور دجلہ و فرات کے میدان میں امریکی واقعی صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں اور امت مسلمہ کے سرفروش وسائل کی قلت کے باوجود میدان کارزار میں ڈٹے ہوئے ہیں۔

امریکی ذرائع اعتراف کرتے ہیں کہ "جون کے آخری ہفتے میں تخریب کاروں نے ایک ہی رات میں ہائی ٹینشن پاور لائن کے 60 کھمبے گرا دیے جس سے بغداد کو بجلی کی فراہمی دو روز معطل رہی۔" اتحادی عبوری انتظامیہ (CPA) کے آلہ کار مصطفیٰ نامی عراقی کے بقول اس سے کئی لوگوں نے کہا کہ "100 ڈالر کے لیے صدام کی خاطر لڑوں گا۔" اور امریکی ذریعے ہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ "ایک امریکی ہلاک کرنے کا انعام 5 ہزار ڈالر دیا جا رہا ہے۔" درست بات یہ ہے کہ امریکی جنہیں تخریب کار کہتے ہیں وہ حریت پسند ہیں۔

......o......

امریکی فوجی جیف وارشا بغداد یونیورسٹی میں سوڈے کی بوتل لے کر لوٹا تو پیچھے سے ایک نوجوان اس کی کھوپڑی میں گولی مار کر غائب ہو گیا۔ امریکی انٹیلی جنس حکام کے بقول حملہ آوروں نے پچاس پچاس افراد کے گروپ پاسیل بنا لیے ہیں۔ بغداد القائم روڈ پر تین ہفتے پہلے ایک رات امریکی گشتی دستے پر فائرنگ ہوئی۔ بعد میں امریکیوں نے سڑک کے کنارے تین فٹ لمبے سات آٹھ راکٹ زمین میں دھنسے پائے جو آر پی جی راؤنڈز سے کہیں بڑے تھے اور ساتھ برقی تار لگے تھے۔ وہ پورے فوجی کانوائے کو اڑانے کے لیے کافی تھے۔ امریکیوں کی خوش قسمتی تھی کہ بچ گئے۔

حریت پسند گوریلے فون استعمال نہیں کرتے بلکہ سرخ و سبز روشنی کے گولوں، رائفل کی گولیوں اور سیٹیوں سے پیغام بھیجتے ہیں۔ وہ اب زیادہ بھاری اور ہائی ٹیک اسلحہ استعمال کرنے لگے ہیں۔ بغداد میں امریکیوں پر مارٹر توپوں سے حملے بھی ہوئے ہیں 21 جون کو امریکی سی۔17 بار بردار طیارے پر ایس اے۔7 طیارہ شکن میزائل سے حملہ کیا گیا، اگرچہ وہ طیارے ٹکرانے سے پہلے ہی پھٹ گیا۔ اس صورتحال نے امریکیوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں اور فوجیوں کا مورال بہت گر گیا ہے۔ حالیہ جنگ (20 مارچ تا 9 اپریل) کے تیسرے ہفتے میں جب امریکی تھرڈ انفنٹری ڈویژن کی الفا کمپنی جس کے پاس جدید ترین ابرامز ٹینک تھے، بغداد میں ری پبلکن گارڈ پیلس کے سامنے فرسودہ عراقی ٹینکوں کو نشانہ بنا رہی تھی تو ان کے لیے یہ ویڈیو گیم کا سا منظر تھا۔ سارجنٹ رینالٹو ایڈیوگر کے بقول وہ ٹھاہ ٹھاہ کے مزے لیتے تھے۔

لیکن اب یہ منظر یکسر بدل چکا تھا۔ جون کے آخری ہفتے میں صرف بغداد میں عراقی حریت پسندوں نے امریکیوں پر بیس مرتبہ فی یوم کی اوسط سے حملے کیے۔ یہ انکشاف نیوز ویک نے ایک خفیہ رفوجی رپورٹ کے حوالے سے کیا ہے۔ سارجنٹ پال ہیرس کہتا ہے: "آپ انکی مدد کرنے" کی کوشش کرتے رہیں اور وہ (عراقی مجاہدین) آپ پر پتھر پھینکیں گے، آپ پر تھوکیں گے اور آوازیں کسیں گے۔ الفا کمپنی نے فٹ بال کا ایک میدان بلڈوزروں سے صاف کیا۔ اگلے ہی روز لوگوں نے اسے کوڑے سے بھر دیا۔" ظاہر ہے عراقی حریت پسند امریکی غاصبوں کے "مدد کرنے" کا مفہوم خوب جانتے ہیں۔ پھر وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ غاصب امریکی درندے ان کی سرزمین پر فٹ بال کھیلتے رہیں۔

نیوز ویک کے مضمون نگار نے اطمینان ظاہر کیا ہے کہ "خوش قسمتی سے امریکیوں پر حملہ صرف نام نہاد سنی مثلث (وسطی عراق) میں ہو رہے ہیں اور شمال میں کرد اور جنوب میں شیعہ اور امریکی قابضین کے دوست یا کم از کم غیر متحرک ہیں اور امریکی فوجی غیر سنی عراق میں محفوظ ہیں۔" لیکن امریکیوں کی یہ خوش فہمی جلد دور ہو جائے گی۔ مزاحمت اور تحریک جہاد تیز تر ہو جائے گی جیسا کہ سرفروشانِ اسلام سرحدیں پار کر کے عراق پہنچنے لگے ہیں اور امریکی خود ان جہادیوں کی مزاحمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار غلام

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

دلوں کو روحانی سکون سے بھر دینے والی دعوت اسلام کی خصوصی ترتیب

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سارا جزیرہ نمائے عرب کفر و شرک کا ظلمت کدہ تھا لیکن بعض قبائل میں خال خال ایسے افراد بھی مل جاتے تھے جو شرک اور جاہلی رسوم سے سخت متنفر تھے وہ صدق دل سے توحید کے قائل تھے اور دین ابراہیمی کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ ایسے ہی سعید الفطرت لوگوں میں اک صاحب زید تھے۔ ان کا تعلق قریش کے نامور قبیلہ بنو عدی سے تھا وہ عمرو بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی) کے فرزند اور حضرت عمر فاروق ؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ (کعب بن لوء پر ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے) زید عقیدۂ توحید میں بہت سخت تھے ان کو نہ صرف بت پرستی اور شرک سے اجتناب تھا بلکہ وہ بتوں پر کی ہوئی قربانی، مردار اور خون کو بھی حرام سمجھتے تھے۔ بعض ارباب سیر نے لکھا ہے کہ زید شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور اپنے اشعار میں کفر و شرک کی علانیہ مذمت کرتے تھے۔

بت پرستی کی مذمت میں یہ شعر انہی سے منسوب ہیں۔

فلا العزیٰ ادین ولا ابنتیھا
ولاصمی بنی طسم ادیر
اربا واحدًا امرا الف رب
ادین اذا تقسمت الامور

(میں نہ عزیٰ پر ایمان رکھتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں پر اور نہ بنی طسم کے بتوں پر جب خدائی کے کام تقسیم ہوگئے تو میں ایک اللہ پر ایمان لاؤں یا ہزار خداؤں پر)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کے بارے میں بھی انہوں نے بہت سے شعر کہے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔



مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب صورت محراب کا منظر

اسلمت وجھی لمن اسلمت
لہ المزن تحمل غذباز لالا
واسلمت وجھی لمن اسلمت
لہ الارض تحمل صخراً ثقالا
وحاھا استوت شدھا
سواء وارسی علیھا الجبالا

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکایا جس کے آگے صاف اور شریں پانی والے بادلوں نے اپنی گردن جھکا دی۔ اور میں نے اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین نے سر جھکایا۔ اس نے اس زمین کو بچھا دیا اور جب دیکھا کہ وہ پانی پر مضبوطی سے جم گئی ہے تو اس نے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔

ایک شعر میں لات و عزیٰ سے اپنی بریت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

ترکت اللات والعزیٰ جمیعاً
کذلک یفعل الرجل البصیر

(میں نے لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا اور عقلمند آدمی ایسا ہی کرتا ہے)

بت پرستی اور رسوم جاہلیت کی علانیہ مذمت کرنا اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف بلانا ایسے کام نہ تھے کہ قریش انہیں ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے۔ وہ زید کے سخت دشمن ہو گئے اور ان کو ایذا رسانی پر کمر باندھ لی، اس معاملے میں ان کے چچا خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ انہوں نے زید کو اس قدر ستایا کہ وہ تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے اور حرا میں مقیم ہو گئے تاہم کبھی کبھی چھپ چھپا کر کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ آ جاتے تھے۔ نزول وحی سے چند سال پیشتر ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور زید کی وادی بلدح میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقع پر حضورؐ کی طرح زیدؓ نے بھی بتوں پر چڑھایا ہوا ذبیحہ کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلدح کے نیچے زید بن عمرو بن نفیل سے ملے، یہ وہ زمانہ تھا جب آپؐ پر وحی نہیں آتی تھی۔ آپؐ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا، آپؐ نے کھانے سے انکار فرمایا، پھر زید نے کہا، تمہارے استھانوں پر جو ذبح ہوتا ہے میں اس کو نہیں کھاتا، میں وہی کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا جائے...... زید بن عمرو قریش کے ذبیحوں کو برا جانتے تھے اور کہتے، بکری کو خدا نے پیدا کیا اور اسی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اس کے لیے سبزہ اگایا، پھر تم اس کا انکار کر کے اس کو غیر اللہ کے نام پہ ذبح کرتے ہو اور اس (غیر اللہ) کی تعظیم کرتے ہو۔''

زمانہ جاہلیت میں عرب میں دختر کشی کا عام رواج تھا۔ ظالم باپ اپنی ننھی بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ زید کو اس لرزہ خیز ظلم سے شدید نفرت تھی، ان کو جب کسی شقی القلب باپ کے ارادہ کا علم ہوتا تو وہ فوراً اس کے پاس جاتے اور لڑکی کو اپنی سرپرستی میں لے لیتے اس طرح انہوں نے بیسیوں معصوم بچیوں کی جانیں بچائیں اور ان کے جوان ہونے تک کفالت کی۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو کو ان کے بڑھاپے میں دیکھا تھا، وہ کعبہ کی دیوار کا سہارا لگائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے گروہ قریش واللہ میرے سوا تم میں سے کوئی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ وہ موؤدہ کو جلاتے تھے (زندہ رکھتے تھے) جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو قتل کرنا چاہتا تھا، وہ کہتے قتل مت کرو، میں اس کا بار اٹھاؤں گا۔ یہ کہہ کر لے جاتے تھے۔ جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو ورنہ میرے پاس ہی رہنے دو، میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔''

زید نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام موصل اور جزیرہ تک کا سفر کیا اور وہاں کے یہودی اور نصرانی علماء سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا کیونکہ ان لوگوں کے خیالات بھی مشرکین مکہ کے عقائد سے مشابہت رکھتے تھے اس پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

''الٰہی تو گواہ رہیو کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔''

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلدح کے نیچے زید بن عمرو بن نفیل سے ملے، یہ وہ زمانہ تھا جب آپؐ پر وحی نہیں آتی تھی۔ آپؐ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا، آپؐ نے کھانے سے انکار فرمایا، پھر زید نے کہا، تمہارے استھانوں پر جو ذبح ہوتا ہے میں اس کو نہیں کھاتا، میں وہی کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا جائے...... زید بن عمرو قریش کے ذبیحوں کو برا جانتے تھے اور کہتے، بکری کو خدا نے پیدا کیا اور اسی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اس کے لیے سبزہ اگایا، پھر تم اس کا انکار کر کے اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو اور اس (غیر اللہ) کی تعظیم کرتے ہو۔''

''اے اللہ اگر میں یہ جانتا کہ تیری عبادت کا کون سا طریقہ تجھے پسند ہے تو میں اسی طریقے سے عبادت کرتا۔''

پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادلخم میں زید کو قتل کر ڈالا۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ورقہ بن نوفل نے ان کے واقعہ قتل پر ایک دردناک مرثیہ کہا۔

''مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ زیدؓ کے فرزند کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ زید کے خیالات کا آپؐ کو علم ہے کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ زیدؓ بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے ان کی وفات دین ابراہیم پر ہوئی۔''

ایک اور روایت میں زیدؓ کے بارے میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔

زیدؓ بن عمرو نے بنو خزاعہ کی ایک خاتون فاطمہ بنت بعجہ سے شادی کی تھی انہی کے بطن سے اس مرد حق آگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سعید الفطرت فرزند عطا کیا کہ جس کی جلالتِ قدر پر اوج ثریا نے رشک کیا اور جس کے فضائل و محاسن تاریخ اسلام کا ایک تابناک باب بنے۔ پاک نفس باپ نے اس فرزند گرامی کا نام سعید رکھا اور سعید واقعی اسم بامسمّی ثابت ہوئے۔ ابوالاعور سعید بن زید نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر میں ہمیشہ خدائے واحد اور دین ابراہیمی کا چرچا سنا۔ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھنے والے موحد باپ کی تربیت نے ان کے دل میں توحید سے گہرا لگاؤ پیدا کر دیا۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد جونہی دعوت حق کا آغاز فرمایا، سعیدؓ لپک کر آگے بڑھے اور دین حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے ان سے پہلے صرف گنتی کے چند سلیم الفطرت اصحاب سعادت اندوز اسلام ہوئے تھے۔ حضرت سعیدؓ کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب تھیں جو حضرت عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی فطرت صالح سے نوازا تھا اپنے شوہر کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور یوں دونوں میاں بیوی اللہ کے ان پاک باز بندوں میں شامل ہو گئے جنہیں حق تعالیٰ نے سابقون الاولون کا خطاب دے کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطاب سے

پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعیدؓ اٹھائیسویں۔

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا۔ وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت خباب بن الارت کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے۔ حق کے نام لیواؤں کے لیے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔ مشرکین قریش اہل حق پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت اور انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے یہاں تک کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرانگیزی اور ایذارسانی سے بچنے کے لیے اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر پناہ گزیں ہوگئے تھے جو کوہِ صفا کے دامن میں ایک وسیع اور محفوظ احاطہ تھا۔ اس زمانے میں حضرت فاطمہؓ کے شجاع بھائی حضرت عمر بن خطاب بھی کفر وشرک کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے اور سرور عالم کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا بھی یہی حال تھا، ان کو دعوتِ حق پر غور وفکر کرنے کی بجائے سیر وشکار سے لگاؤ تھا۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی ان کے راستے میں کھڑی ہوگئی اور طعن آمیز لہجے میں بولی:

''ابوعمارہ! کاش تم تھوڑی دیر پہلے آتے تو دیکھتے کہ ابوجہل نے تمہارے بھتیجے محمد کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، وہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہا تھا کہ ابوجہل نے اس پر سب وشتم کی بوچھاڑ کردی، مٹی اور گوبر پھینکا اور جسمانی ایذا بھی پہنچائی! افسوس کہ بنو ہاشم کے یتیم کی حمایت میں کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔''

حضرت حمزہ سرور عالم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، خون اور دودھ کے جوش نے انہیں بے قرار کردیا۔ سخت غیظ وغضب کے عالم میں اپنی کمان کھینچ کر خانہ کعبہ کی طرف دوڑے، ابوجہل ابھی تک وہیں تھا اور قریش کے ایک مجمع میں بیٹھا لاف زنی کررہا تھا۔ حضرت حمزہ جوش اور غصے میں بھرے ہوئے اس پر لپکے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ لہولہان ہوگیا، اس کے ساتھ ہی اسے للکار کر کہا:

''تو محمد کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میرا دین بھی محمد کا دین ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، تجھ میں ہمت ہے تو مجھے اس سے روک کر دیکھ۔''

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا۔ وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت خباب بن الارت کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے۔ حق کے نام لیواؤں کے لیے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔ مشرکین قریش اہل حق پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت اور انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے یہاں تک کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرانگیزی اور ایذارسانی سے بچنے کے لیے اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر پناہ گزیں ہوگئے تھے جو کوہِ صفا کے دامن میں ایک وسیع اور محفوظ احاطہ تھا۔

اس پر بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لیے کھڑے ہوگئے لیکن اس نے کہا:

''ابوعمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی تھیں اس لیے اس کو غصہ آگیا ہے۔''

اس کے بعد حضرت حمزہؓ رحمت عالم کی خدمت میں پہنچے اور کہا:

''برادر زادے خوش ہوجا میں نے عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

حضورؐ نے فرمایا:

''چچا جان میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ بت پرستی ترک کرکے دین حق کی پیروی کریں۔''

حضرت حمزہؓ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور کشمکش وپیچ کی حالت میں گھر واپس آئے۔ ساری رات ہجوم افکار میں گزری۔ صبح تک ان کے باطن کا دغدغہ دور ہوگیا اور رحمت عالم کی خدمت میں پہنچ کر سعادت اندوزِ اسلام ہوگئے۔

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کی خبر مشرکین مکہ پر بجلی بن کر گری لیکن پرستاران حق بے حد مسرور ہوئے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں حضورؐ نے ایک دن دعا مانگی۔

''الٰہی قریش کے دو ستونوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جس کو تو چاہے، ہدایت کا راستہ دکھا تاکہ تیرے دین کو تقویت پہنچے۔''

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے عجیب رنگ میں قبول فرمائی۔

حضرت حمزہؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ابوجہل کی حالت ماروم بریدہ کی سی ہوگئی اس نے طیش میں آکر اعلان کیا کہ جو شخص محمد کو قتل کرکے اس کا سر میرے پاس لائے گا اس کو سو سرخ اونٹ یا ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رشتہ میں ابوجہل کے بھانجے ہوتے تھے۔ (ان کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں) اور شجاعانِ قریش میں شمار ہوتے تھے۔ ابوجہل نے انہیں سخت اشتعال دلایا یہاں تک کہ وہ تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، اس کام کو میں انجام دوں گا۔

یہ کہہ کر شمشیر بدست حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے راستے میں ان کے قبیلہ کے ایک صاحب نعیمؓ بن عبداللہ النحام مل گئے، وہ دولت ایمان سے بہرہ یاب ہوچکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے پوچھا۔

''عمر کدھر کا قصد ہے؟''

حضرت عمر: ''بس آج اس شخص کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالتا ہے۔''

حضرت نعیم: ''عمر، خدا کی قسم تمہارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، تم محمد کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑیں گے۔''

حضرت عمر: ''مجھے کسی کا خوف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صابی ہوگئے ہو۔ کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑادوں؟''

حضرت نعیم: ''تم مجھ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر والوں کی خبر لو۔''

حضرت عمرؓ: ''میرے کون سے گھر والے؟''

حضرت نعیمؓ: ''تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔''

حضرت عمرؓ کو نعیمؓ کی باتیں سن کر سخت تاؤ آیا۔ سیدھے سعیدؓ بن زید کے گھر پہنچے۔ اس وقت سابق الاسلام حضرت خبابؓ بن الارت بھی حضرت سعیدؓ کے گھر موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوت قرآن کی آواز سنی تو ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا، دروازے پر زور سے دستک دی۔ تینوں پرستارانِ حق سمجھ گئے کہ یہ عمر ہیں۔ حضرت خبابؓ تو گھر کے پچھلے حصے میں روپوش ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ نے کلام پاک کے اجزاء جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا: ''یہ کیسی منمناہٹ تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟''

حضرت سعید اور فاطمہؓ نے کہا: ''تم نے کچھ نہیں سنا۔''

حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہو کر بولے: ''میں نے سنا ہے بخدا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو چکے ہو، میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ حضرت سعیدؓ سے لپٹ گئے، ان کے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو پٹتا دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور بھائی کے ہاتھوں سے انہیں چھڑانے کے لیے آگے بڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے ہوشِ غضب میں ایک لکڑی حضرت فاطمہؓ کے چہرے پر دے ماری جس سے وہ لہولہان ہو گئیں لیکن استقلال کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں بولیں:

قد اسلمنا وتابعنا محمد افعل مابدالک......

(ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی ہے تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔ اسلام کا نقش ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا)

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے ان کا غصہ ندامت میں تبدیل ہو گیا اور بولے:

''اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔''

حضرت فاطمہؓ نے کہا: ''ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔''

حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ ''میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔''

حضرت فاطمہؓ کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید ان پر کلام الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا:

''ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے۔''

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورۂ طٰہٰ ان کے سامنے آئی اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ

حضرت فاطمہؓ کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید ان پر کلام الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا: ''ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے۔'' حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورۂ طٰہٰ ان کے سامنے آئی اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے قرآن کریم کی شوکت الفاظ، ندرت بیان اور فصاحت زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی

الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے قرآن کریم کی شوکت الفاظ، ندرت بیان اور فصاحت زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی جب اس آیت پر پہنچے:

انني انا اللّٰه لا الٰه الا انا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري

(میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کر۔)

تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھے۔

اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمداً رسول الله

حضرت خبابؓ بن ارت جو اندر چھپے ہوئے تھے اب باہر نکلے اور مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اے عمر! مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضورؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔''

حضرت خبابؓ، حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرامؓ نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔ شیرِ خدا حضرت حمزہؓ کو جوش آ گیا، انہوں نے تلوار سونت لی اور کڑک کر کہا: ''عمر آتا ہے تو آنے دو اگر اس کی نیت نیک نہیں ہے تو خدا کی قسم اس تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔''

اس پر رحمت عالم نے فرمایا: ''دروازہ کھول دو۔''

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے، حضرت خباب پیچھے رہ گئے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا: ''عمر کس نیت سے آئے ہو؟''

حضرت عمرؓ جلالِ نبوت سے کپکپا اٹھے، سر جھکا کر نہایت دھیمے لہجے میں کہا:

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لیے۔''

یہ الفاظ سن کر صحابہ کرامؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے، انہوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ وہ اپنی جرات، دلاوری، بے خوفی، فراست اور تدبر کی بدولت اسلام کا ایک عظیم ستون ثابت ہوئے اور جریدۂ عالم پر ایسے نقوش ثبت کیے جو ابدالآباد تک ملت اسلامیہ کے لیے سرمایہ افتخار اور مشعل راہ بنے رہیں گے۔ فاروق اعظمؓ کو حق کا حلقہ بگوش بنانے میں حضرت سعیدؓ بن زید اور فاطمہؓ

بنت خطاب کا بہت حصہ ہے۔ یہ ان کی استقامت اور اخلاص کا ہی نتیجہ تھا کہ بنو عدی کے مرد آہن کا دل بھی پگھل گیا اور وہ آناً فاناً دشمنانِ حق کی صف سے نکل کر جاں نثارانِ اسلام کی صف میں آ گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ ہجرت میں ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جب حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت سعیدؓ کو حضرت رافعؓ بن مالک زرقی انصاری کا اسلامی بھائی بنا دیا۔ (یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔ ابن ہشامؒ اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے انہیں حضرت ابیؓ بن کعب کا اسلامی بھائی بنا لیا۔)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم سے کشمکش کا آغاز ہوا تو حضرت سعیدؓ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو گئے ۱۳ھ (عہد صدیقی) میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، اس لڑائی میں نوے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار وردان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، مسلمان جانباز جن میں حضرت سعیدؓ بھی شامل تھے سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اپنی قوت ایمانی کے بل پر کثیر التعداد رومی لشکر کو عبرتناک شکست دی۔

۲ھ ہجری میں بدر کے میدان میں حق و باطل کا معرکہ اول پیش آیا تو حضرت سعیدؓ بن زید ان تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک تھے جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے محض اللہ کے بھروسے پر بھڑ گئے۔ واقدی، ابن سعد اور کچھ دوسرے اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر سرور کائنات نے حضرت سعیدؓ کو ایک خاص کام کے لیے حضرت طلحہؓ کے ساتھ شام کی طرف بھیجا تھا۔ وہ غزوۂ ختم ہونے کے بعد مدینہ واپس آئے تاہم حضورؐ نے بدر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا اور جہاد کے ثواب سے بہرہ ور ہونے کی بشارت بھی دی لیکن صحیح بخاری میں واضح طور پر ان کا نام اصحاب بدر کی فہرست میں درج ہے اور ایک دوسری روایت میں بھی ان کے نام کے ساتھ بدری کا لقب مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعیدؓ نے عملی طور پر غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ بدر کے بعد دوسرے تمام غزواتِ نبوی میں بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ احد، خندق، خیبر، حنین اور طائف ہر معرکہ میں انہوں نے کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ۶ھ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا، فتح مکہ کے موقع پر ایک دستہ فوج کے افسر تھے۔ غزوۂ عسرت (تبوک) میں طویل پر صعوبت سفر کی تمام سختیاں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبولِ اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم سے کشمکش کا آغاز ہوا تو حضرت سعیدؓ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو گئے ۱۳ھ (عہد صدیقی) میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، اس لڑائی میں نوے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار وردان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، مسلمان جانباز جن میں حضرت سعیدؓ بھی شامل تھے سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اپنی قوت ایمانی کے بل پر کثیر التعداد رومی لشکر کو عبرتناک شکست دی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا رخ کیا۔ اسی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور خلافت فاروقی کا آغاز ہوا۔ اس وقت دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ہرقل نے ایک بڑی فوج اہل دمشق کے لیے روانہ کی۔ سپہ سالار اسلام حضرت خالدؓ بن ولید کو اس فوج کی نقل وحرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو محاصرے پر چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دمشق سے ایک منزل دور رومیوں کی امدادی فوج کے مقابل ہوئے۔ اسلامی لشکر کی صف بندی کرتے وقت انہوں نے حضرت سعیدؓ بن زید کو رسالہ کا افسر مقرر کیا۔ رومی لشکر بڑی جرات اور استقامت کے ساتھ رومیوں کے پرخروش حملے کو روکا، اس اثنا میں حضرت خالدؓ نے رومیوں کے میسرہ پر اور حضرت معاذؓ بن جبل نے میمنہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی رسالہ ان کے دباؤ سے آزاد ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعیدؓ رومیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ان کی تمام صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ اپنے سینکڑوں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ لڑائی ''یوم مرج الصفر'' کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس دمشق آ گیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد اس پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ دمشق کے بعد مسلمان قنسرین اور بعلبک کو مفتوح کر کے، حمص کی طرف بڑھے جو شام کا ایک اہم شہر تھا اور جہاں رومیوں نے ایک زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا۔ اس وقت شام کا ایک نامی جنگجو مرلیس، حمص کا حاکم تھا۔ اس نے پہلے تو شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جب ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اسے شکست دی تو وہ قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس کو فتح کرنے کے لیے بار بار حملے کیے لیکن اہل حمص نے سخت مزاحمت کی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک جنگی منصوبہ بنایا اور اس کے مطابق تھوڑے سے سوار اور معمولی سامان پیچھے چھوڑ کر سارا لشکر دمشق کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل دور چلا گیا۔ حاکم حمص مرلیس نے سمجھا کہ مسلمان بددل اور مایوس ہو کر پسپا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوج ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں کی لشکر گاہ پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان سواروں نے معمولی مقابلہ کیا اور پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ رومیوں کے دل بڑھ گئے اور انہوں نے تیزی سے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی چال کامیاب ہو گئی، بڑی اسلامی فوج نے دمشق سے کافی دور خفیہ مورچے قائم کر لیے تھے۔ جونہی رومی لشکر اس کی زد میں آیا، مجاہدین اسلام اس پر برق بے اماں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن جب

حضرت سعیدؓ نے ان کے سردار مریس کا کام تمام کر دیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ مسلمان اب طوفان کی طرح حمص کی طرف بڑھے، اہل حمص کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے فوراً مسلمانوں کی اطاعت کا اعلان کر دیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔

حمص کے فتح کے بعد رجب ۱۵ھ/۶۳۶ء میں یرموک کی خونریز جنگ پیش آئی جس نے شام کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا، اس لڑائی میں حضرت سعیدؓ پیدل فوج کے افسر تھے وہ ایسی شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔

علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں لکھا ہے کہ اثنائے جنگ میں رومیوں نے مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا۔

چونکہ اس حصے میں اکثر لخم اور غسان کے قبائل تھے جن کے دلوں میں رومیوں کا رعب سمایا ہوا تھا اس لیے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن افسر جمے رہے، انہیں میں حضرت سعیدؓ غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے، رومی ان کی طرف بڑھے تو وہ شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرادیا۔ حضرت سعیدؓ اور ان جیسے دوسرے مجاہدوں کی جانبازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومیوں کے ٹڈی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اسی زمانے میں سپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت سعیدؓ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں اینا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔

پھر دمشق کی امارت سے استعفا دے کر میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ جب تک شام مکمل طور پر فتح نہ ہو گیا وہ برابر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہے۔ فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ مدینہ منورہ آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔

۲۳ ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ زخمی ہوئے تو حضرت سعیدؓ ان کے گھر میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی وہیں بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، فرمایا:

"دیکھو میں نے کلالہ کے متعلق کچھ نہیں کہا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، جو عرب اس وقت قید میں ہیں وہ سب آزاد ہیں۔"

حضرت سعیدؓ بولے: "اگر آپ کسی مسلمان کو خلیفہ نامزد کر دیں تو مسلمان آپ پر اعتماد کریں گے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں تو صرف ان چھ شخصوں کے اندر خلافت کو رکھوں گا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت تک راضی رہے اور جن میں بار خلافت

اثنائے جنگ میں رومیوں نے مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا۔ چونکہ اس حصے میں اکثر لخم اور غسان کے قبائل تھے جن کے دلوں میں رومیوں کا رعب سمایا ہوا تھا اس لیے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن افسر جمے رہے، انہیں میں حضرت سعیدؓ غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے، رومی ان کی طرف بڑھے تو وہ شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرادیا۔ حضرت سعیدؓ اور ان جیسے دوسرے مجاہدوں کی جانبازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومیوں کے ٹڈی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اسی زمانے میں سپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت سعیدؓ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔

اٹھانے کی صلاحیت بھی ہے۔'

پھر فرمایا:

"اگر سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ یا ابوعبیدہؓ بن الجراح میں سے اس وقت کوئی ہوتا تو میں اسے خلیفہ بنا کر مطمئن ہو جاتا۔"

جن چھ اصحاب کو حضرت عمرؓ نے خلافت کے قابل سمجھا ان کے نام یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔

یہ سب عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت سعیدؓ بن زید بھی ان کے ہم مرتبہ تھے لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں محض اس لیے خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا کہ وہ ان کے اپنے خاندان (بنو عدی) سے تعلق رکھتے تھے، دوسرے کسی صاحب کا تعلق بنو عدی سے نہیں تھا۔

اس واقعے کے بعد انہوں نے باقی تمام زندگی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ اس دوران میں ملکی سیاست میں کئی اتار چڑھاؤ آئے لیکن وہ ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ تاہم ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں وہ کوفہ میں مقیم تھے اس واقعے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم اور عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں۔ اگر ان کی وجہ سے کوہ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب المناقب)

حضرت سعید بن زیدؓ نے نواح مدینہ میں عقیق کے

مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی جگہ انہوں نے باختلاف روایت ۵۰ھ، ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا، حضرت سعد بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعدؓ اور ابن عمرؓ قبر میں اترے اور اسلام کے اس مہر درخشاں کو سپرد خاک کر دیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعیدؓ نے کوفہ میں (بعہد حکومت حضرت امیر معاویہؓ) وفات پائی اور والئی کوفہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن ابن سعدؓ اور کئی دوسرے اہل سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وفات کے وقت حضرت سعیدؓ کی عمر ۷۰ یا ۷۳ برس کی تھی لیکن روایت کی رو سے ان کی عمر ۸۰ اسی کے لگ بھگ ٹھہرتی ہے کیونکہ ۶ھ نبوت میں حضرت عمر فاروقؓ اسلام لائے تو حضرت سعیدؓ کی بھرپور جوانی تھی اور ان کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے والد زیدؓ کو بھی اچھی طرح دیکھا تھا جو بعثت نبوی سے پانچ سال قبل قتل ہوئے تھے۔ قیاس یہ کہ اس وقت ان کی عمر دس گیارہ برس سے کم نہیں ہوگی اور ۶ نبوت میں وہ بیس بائیس برس کے پیٹھے میں ہوں گے اس حساب سے وفات کے وقت ان کی عمر اسی ۸۰ برس سے کچھ کم یا زیادہ تو ہوسکتی ہے ستر برس سی صورت میں نہیں ہوسکتی۔

حضرت سعیدؓ بن زید کا شمار ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جن کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی، یہ اصحاب "عشرہ مبشرہ" کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہیں۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت سعیدؓ بن زید ان صحابہ میں سے تھے جو صف قتال میں نبی ﷺ کے آگے اور صف نماز میں حضورؐ کے پیچھے (یعنی قریب تر) رہا کرتے تھے۔

حضرت سعیدؓ بن زید کا شمار ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جن کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی، یہ اصحاب "عشرہ مبشرہ" کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہیں۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت سعیدؓ بن زید ان صحابہ میں سے تھے جو صف قتال میں نبی ﷺ کے آگے اور صف نماز میں حضورؐ کے پیچھے (یعنی قریب تر) رہا کرتے تھے۔

اپنی زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کی بدولت حضرت سعیدؓ کو "مستجاب الدعوات" کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امام مسلمؒ، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اروی بنت اویس نامی ایک عورت نے والئی مدینہ مروان بن الحکم کے پاس شکایت کی کہ سعیدؓ بن زید نے اس کی زمین کا کچھ حصہ دبا لیا ہے۔ مروان نے ان کو طلب کر کے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا:

"تم میری نسبت گمان کرتے ہو کہ میں نے اس کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر لیا ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھی زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا۔ قیامت کے دن اس کو (ویسی) سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

مروان نے ان سے قسم کھانے کو کہا تو وہ اس زمین سے دست بردار ہو گئے لیکن دل گرفتگی کے عالم میں منہ سے یہ الفاظ نکل گئے:

"الٰہی اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں موت دے (یا اسے اس کے گھر کے کنوئیں میں گرا دے) اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کر دے۔"

خدا کی قدرت کچھ عرصہ بعد اروی کی بینائی زائل ہو گئی اور پھر ایک دن وہ اسی حالت میں اپنے گھر کے کنوئیں میں گر کر مر گئی۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں یہ ضرب المثل بن گئی۔

"اعماک اللہ کما اعمی الا روی"

(خدا تجھے اندھا کرے جیسا کہ اروی کو اندھا کیا)

حضرت سعیدؓ کا ایک خاص وصف حق گوئی تھا۔ ایک مرتبہ وہ جامع کوفہ میں والئی کوفہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آ کر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شان میں کچھ نامناسب الفاظ کہے حضرت سعیدؓ تڑپ اٹھے اور فرمایا:

"مغیرہ، مغیرہ لوگ تمہارے سامنے اصحاب رسولؐ کو برا بھلا کہتے ہیں اور تم ان کو نہیں روکتے۔ علیؓ ان لوگوں میں ہیں جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔"

حب رسولؐ، شوق جہاد، زہد و تقویٰ، ایثار و اخلاص اور خشیت الٰہی حضرت سعیدؓ بن زید کے چمن اخلاق کے سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "سعیدؓ بن زید کا دامن عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ اتباع رسول میں کوشاں رہتے تھے۔

حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثیر اولاد ہوئی۔ اہل سیر نے ان کے چودہ لڑکوں اور بیس لڑکیوں کے نام صراحت سے لکھے ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سعیدؓ بن زید طویل القامت گندم گوں تھے اور ان کے سر پر لمبے اور گھنے بال تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسلامی چیئر کے خلاف

عیسائیت اور یہودیت کا گٹھ جوڑ

اس وقت تمام دنیا خصوصاً مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی کردارکشی کی ایک مہم سی چلی ہوئی ہے، سیاسی اور عسکری اداروں سے نکل کر یہ مہم مغرب کے تعلیمی داروں تک

محمد انیس الرحمن

پہنچ چکی ہے، اس کی تازہ ترین مثال امریکا کی مشہور یونیورسٹی ہارورڈ ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے لاہوت کالج میں تین سال قبل عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان نے ایک اسلامک چیئر کے قیام اور مطالعہ اسلامیات اور اسلامی تحقیق کے لیے 2.5 ملین ڈالر کی خطیر رقم ہدیہ کی تھی۔ جس کے فوراً بعد عالمی صہیونی تنظیموں نے شیخ زائد اسلامی مرکز اور اس کی سرگرمیوں پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرنے شروع کر دیے۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں مطالعہ اسلامیات کی چیئر کے قیام کا مقصد ہے کہ امریکا اور دیگر مغربی ممالک میں اسلام سے متعلق پھیلائے گئے غلط تصورات کی تصحیح کرنا اور اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر کو مغرب میں اجاگر کرنا ہے۔ عرب امارات کی حکومت شیخ زائد بن سلطان اسلامک سینٹر کے نام سے بہت سے یورپی اور مسلم ممالک میں تحقیقی مراکز قائم کر چکی ہے جس کا مرکز ابوظہبی میں ہے۔ صہیونی تنظیموں نے مغرب میں اپنے اثر و رسوخ اور میڈیا پر اجارہ داری کے بل بوتے پر شیخ زائد اسلامی مرکز کو جو عرب لیگ کے تحت کام کرتے ہیں زبردست تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ شیخ زائد اسلامک سنٹر کے مدیر ایگزیکٹو محمد خلیفہ اور ان کے علمی رفقاء کار نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ عالم عرب کے مفکرین اور اسکالرز صہیونیت کے اس حملے کے خلاف ڈٹ جائیں، جس میں ہارورڈ یونیورسٹی میں قائم اسلامک چیئر کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا گیا ہے۔ مرکز کے ڈائریکٹر کے مطابق صہیونی عناصر نے ہارورڈ یونیورسٹی کا نام لے کر مسلمانوں پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ سامی نسل کے خلاف علمی اور فکری سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عرب امارات کے اخبارات کے مطابق امریکا کی صہیونی لابی کی پوری کوشش ہے کہ شیخ زائد نے ہارورڈ یونیورسٹی کو اسلامی چیئر کے قیام کے لیے جو 2.5 ملین ڈالر کی رقم ہدیہ کی ہے اسے واپس کر دیا جائے۔ مصری اخبارات کے مطابق ہارورڈ یونیورسٹی کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے عرب لیگ کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ امریکا کی صہیونی لابی نے ہارورڈ کے لاہوت کالج کے طلبہ کے ذریعے پرنسپل گراہم ولیم پر دباؤ ڈلوایا کہ شیخ زائد اسلامی مرکز کی جانب سے ہدیہ کی گئی رقم کو واپس لوٹایا جائے۔ عرب صحافتی ذرائع کے مطابق نہ صرف اسلامی تعلیمی مراکز بلکہ ہر اس محقق کے خلاف امریکی صہیونی لابی کام کر رہی ہے جس نے صہیونیت کے مکروہ چہرے سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ان میں غیر مسلم اور نو مسلم مغربی دانشور بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر لندن لاروش، فرانسیسی مولف تیری میسان جس نے گیارہ ستمبر کے واقعات پر مشہور کتاب ''بڑا دھوکا'' تالیف کی اور اس میں ثابت کیا کہ امریکا میں تباہی پھیلانے کے واقعات کے پیچھے امریکا کی صہیونی لابی کا ہاتھ ہے۔ ایک اور فرانسیسی نو مسلم دانشور روجیہ گارودی جنہوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہودیوں نے نازی مظالم اور حولوکوسٹ کی جو تصویر کشی دنیا کے سامنے کی ہے وہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے، جبکہ شیخ زائد اسلامی مرکز کی ایک تحقیق کے مطابق اس بات کو ثابت کیا گیا تھا کہ یہودیوں کو جو آزادی اور خوشحالی اسلامی حکومت کے تحت رہتے ہوئے ملی ہے وہ کہیں اور نصیب نہیں ہوتی۔ اس تحقیق کے منظر پر آتے ہی امریکی جریدے ''گلوب'' نے مذاکرے منعقد کروا کر شیخ زائد اسلامی مرکز کی تحقیق کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اسرائیلی ادارے مڈل



حضرت عثمانؓ کی شہادت عظمیٰ کے وقت کا قرآن مجید

ایسٹ انسٹی ٹیوٹ فار انفارمیشن نے سعودی عرب کی ایک محقق امیمہ جلاہمہ کی ایک تحقیقی رپورٹ کو بنیاد بنایا ہے۔ جس کے مطابق یہودی اپنی ایک عید "عید ابراہیم" میں آٹے میں انسانی خون ملا کر گوندتے ہیں۔ اسرائیلی انسٹی ٹیوٹ کے مطابق سعودی عرب سے تعلق رکھنے والی محققہ امیمہ کو شیخ زائد اسلامی مرکز نے تحقیقی مقالہ پیش کرنے کے لیے مدعو کیا تھا جس کی وجہ سے بھی شیخ زائد اسلامی مرکز کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ اسرائیلی سرمائے سے شائع ہونے والے جریدے "فرنٹ پیج" نے

نے ابھی کام کی ابتدا نہیں کی تھی یہ مسئلہ حل ہونے کے بعد بھی معلق ہو سکتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ پرنسپل پر "انتہا پسندوں" کا دباؤ ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے خلاف صہیونی لابی اور اسرائیلی میڈیا کی جانب سے کھڑا کیا گیا یہ فتنہ گزشتہ مارچ میں شروع ہوا تھا، جب لاہوت کالج کی ایک 23 سالہ یہودی طالبہ راشیل فیش نے شیخ زائد اسلامی مرکز پر تنقید کرتے ہوئے اس کے رویے کو سامی نسل کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی

کہ امریکا اور اسرائیل کے یہودی، شیخ زائد اسلامی مرکز کے خلاف منظم تحریک چلائے ہوئے ہیں تاکہ مغرب میں کوئی مسلم ادارہ ایسا نہ ہو جو ان کے مکروہ افعال پر سے پردہ اٹھا سکے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ہارورڈ یونیورسٹی کے ساتھ رابطے کا انکشاف بھی کیا جس میں انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی کی انتظامیہ ان کے موقف کو سمجھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک شیخ زائد مرکز میں آنے والے مسلمان محققین اور مفکرین کی تحقیق کا تعلق ہے تو شیخ زائد اسلامی

> ہارورڈ یونیورسٹی کے لاہور کالج کے پرنسپل گراہم کی ترجمان وڈنی مکڈویل کے مطابق کالج پرنسپل نے جس پروفیسر کو ان الزامات کی چھان بین کی ذمہ داری سونپی تھی اس نے اپنی رپورٹ کالج پرنسپل کو پیش کر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی میں مطالعہ اسلامیات کی چیئر جس نے ابھی کام کی ابتدا نہیں کی تھی یہ مسئلہ حل ہونے کے بعد بھی معلق ہو سکتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ پرنسپل پر "انتہا پسندوں" کا دباؤ ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے خلاف صہیونی لابی اور اسرائیلی میڈیا کی جانب سے کھڑا کیا گیا یہ فتنہ گزشتہ مارچ میں شروع ہوا تھا، جب لاہوت کالج کی ایک 23 سالہ یہودی طالبہ راشیل فیش نے شیخ زائد اسلامی مرکز پر تنقید کرتے ہوئے اس کے رویے کو سامی نسل کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ بعد میں منصوبے کے مطابق اس کے ساتھ دیگر یہودی طلبہ بھی شامل ہو گئے جنہوں نے عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان کی جانب سے یونیورسٹی میں اسلامی چیئر کے قیام کے لیے دیئے گئے مالی تعاون کو اسلامی کی یہودیت کے خلاف امداد قرار دے دیا

فرانسیسی نومسلم دانشور روجیہ گارودی پر زبردست تنقید کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر امریکا کی ہارورڈ یونیورسٹی کا لاہوت کالج مرکزِ نگاہ بنا ہوا ہے جہاں اس کے پرنسپل گراہم ولیم پر زور ڈالا جا رہا ہے کہ وہ شیخ زائد اسلامی مرکز کی جانب سے ہدیہ کی گئی رقم واپس کر دیں۔ گراہم ولیم کا موقف ہے کہ ہم ان الزامات کی تحقیق کر رہے ہیں اگر یہ ثابت ہو گیا کہ شیخ زائد اسلامی مرکز میں ایسی تحقیقات کی جاتی ہیں جن میں امریکا یا سامی نسل کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو یہ رقم واپس کر دی جائے گی۔

کالج کے پرنسپل نے کہا کہ کالج کی انتظامیہ اور عرب امارات کی متعلقہ شخصیات سے ان کا اس سلسلے میں مسلسل رابطہ ہے۔ شیخ زائد اسلامی مرکز کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے بھی ان روابط کی تصدیق کی ہے کہ ان کے اور ہارورڈ یونیورسٹی کے درمیان رابطہ جاری ہے اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ یونیورسٹی ان کا موقف صحیح تسلیم کر لے گی۔

دوسری جانب ہارورڈ یونیورسٹی کے لاہور کالج کے پرنسپل گراہم کی ترجمان وڈنی مکڈویل کے مطابق کالج پرنسپل نے جس پروفیسر کو ان الزامات کی چھان بین کی ذمہ داری سونپی تھی اس نے اپنی رپورٹ کالج پرنسپل کو پیش کر دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی میں مطالعہ اسلامیات کی چیئر جس

تھی۔ بعد میں منصوبے کے مطابق اس کے ساتھ دیگر یہودی طلبہ بھی شامل ہو گئے جنہوں نے عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان کی جانب سے یونیورسٹی میں اسلامی چیئر کے قیام کے لیے دیئے گئے مالی تعاون کو اسلامی کی یہودیت کے خلاف امداد قرار دے دیا جبکہ عرب امارات کی جانب سے موقف اختیار کیا گیا ہے کہ مغرب میں اسلام کی صحیح تصویر اجاگر کرنے کے لیے اسلام چیئر کے قیام کے لیے یہ رقم مختص کی گئی ہے۔

امریکا کی صہیونی لابی اور اسرائیلی میڈیا کی جانب سے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان سامی نسل کے خلاف پراپیگنڈہ کر رہے ہیں حالانکہ یہودیوں کا یہ پراپیگنڈہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، کیونکہ عرب اور یہودی دونوں سامی النسل ہیں پھر عرب اپنی ہی نسلی اساس پر کیوں حملہ کریں گے......!

اس مسئلے پر بہت سے عرب اخبارات اور جرائد نے شیخ زائد اسلامی مرکز کے موقف کو واضح طور پر شائع کیا ہے۔ مرکز کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر جناب محمد خلیفہ نے اس سلسلے میں بہت سے سوالوں کا جواب دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "یہودی سامی نسل کے خلاف عربوں پر جب الزام عائد کرتے ہیں تو کیا یہ بھول جاتے ہیں کہ عرب بھی سامی النسل ہیں۔ انہوں نے کہا

مرکز اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ کوئی بھی محقق کہیں بھی بیٹھ کر تحقیقی کام کر سکتا ہے اور کسی بھی پلیٹ فارم پر جا کر اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ صہیونی لابی کی جانب سے ایسے اداروں پر حملہ کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی صہیونیت کی چیرہ دستیوں کا پول کھولنے والے بہت سے ایسے ادارے صہیونی میڈیا کی زد میں آ چکے ہیں اور آتے رہیں گے۔ انہوں نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "یقیناً شیخ زائد اسلامی مرکز پوری قوت کے ساتھ مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں فلسطینی موقف کی حمایت کرتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ یہ مرکز اسرائیل کے ظالمانہ کارروائیوں کی مذمت کرتا ہے۔ اسی بنیاد پر شیخ زائد اسلامی مرکز کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ہم نے امریکا کی صہیونی لابی کی جانب سے لگائے گئے الزام کا مفصل جواب ہارورڈ یونیورسٹی کی انتظامیہ کو ارسال کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یونیورسٹی انتظامیہ اسے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔"

شیخ زائد اسلامی مرکز پر صہیونی حملے کے بعد عرب ممالک کے تحقیقی اداروں میں زور دیا جا رہا ہے کہ اسلامی مراکز کے فکری تحفظ کے لیے زیادہ سے زیادہ اسکالروں کو مغرب بھیجا جائے تاکہ صہیونی لابی کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

میں آپ کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دینا چاہتا ہوں

فہم و فراست مسلمانوں کی میراث رہی مگر بدقسمتی سے آج ہم جذبات کا شکار ہو کر فہم و فراست سے محروم ہوتے جا رہے ہیں

بھدی آواز والا موذن

کسی بستی کی مسجد میں ایک موذن رہتا تھا جس کی آواز بہت بھدی تھی۔ جبکہ اسے یہ غلط فہمی تھی کہ اس کا گلا ''لحن داؤدی'' اور بڑی ہی میٹھی اور سریلی آواز میں وہ اذان دیتا ہے جب کہ بستی کے لوگ اس کی کرخت آواز سن سن کر تنگ آ چکے تھے خصوصاً جب وہ عشاء اور فجر کی اذان دیتا تو بچے بستروں میں پڑے ڈر جاتے۔ بوڑھے لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ سونے والوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی۔ بستی کے لوگوں نے کئی بار اس سے درخواست کی کہ وہ کسی دوسری بستی میں تشریف لے جائے تاکہ وہاں کے لوگ بھی اس کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہوں لیکن اس کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ آخر لوگوں نے اس سے پیچھا چھڑانے کا ایک منصوبہ بنایا۔ پوری بستی کے لوگوں سے چندہ جمع کیا گیا۔ اور روپوں کی ایک تھیلی موذن کو پیش کر کے درخواست کی کہ اب اس کی یہاں ضرورت نہیں رہی۔ وہ کہیں اور اپنا بندوبست کرے۔ موذن نے دل میں سوچا کہ مجھے روپے بھی مل رہے ہیں۔ میں جہاں بھی جاؤں گا وہاں بھی مجھے معاوضہ ملتا رہے گا۔ اس نے مسجد چھوڑنے کی حامی بھرلی۔

اگلے دن ایک قافلہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جا رہا تھا۔ موذن ان کے ساتھ ہولیا جب رات سر پر آئی۔ تو قافلے نے ایک آبادی دیکھ کر پڑاؤ کیا جب نماز کا وقت ہوا تو موذن اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ جونہی اس نے اذان دینا بند کیا۔ بستی سے ایک آدمی ہاتھ میں لیمپ لیے ایک طباق مرغن حلوے کا اور اک رشمی جوڑا لے کر آیا۔ اور آتے ہی موذن کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ اس نے پوچھنے پر بتایا



کہ یہ حلوہ اور جوڑا اس خوش الحان موذن کے لیے لایا ہوں جس نے ابھی ابھی اذان دی تھی۔ لوگ حیران رہ گئے کہ ایسی کون سی بات ہوگئی کہ یہ شخص موذن کے لیے نذرانہ لے کر آ گیا ہے۔ ہم نے تو موذن کو منع کیا تھا کہ وہ اذان نہ دے کیونکہ اس کی آواز بھدی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بستی کے لوگ لڑنے کے لیے آ جائیں۔ کیونکہ اس بستی میں ایک گھر بھی مسلمانوں کا نہ تھا۔ سب کے سب کافر تھے۔ انہوں نے کافر سے معذرت کی کہ وہ موذن کو معاف کر دے۔ کافر کہنے لگا کہ یہ سب کچھ میں اپنی خوشی سے کر رہا ہوں میں ناراض نہیں ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میرے گھر ایک ہی بیٹی ہے جو بہت ہی خوب صورت اور نازک مزاج ہے۔ اک عرصے سے اسے یہ خواہش تھی کہ مسلمان ہو جائے ہم نے اس کے دماغ سے یہ مسلمانی کا خیال نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اس کی خواہش دن بدن بڑھتی چلی گئی۔

ہم گھر والے پریشان تھے کہ ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھوں سے نکل جائے۔ آج موذن نے ہماری پریشانی دور کر دی ہے۔ لڑکی نے آج پہلی دفعہ اذان کی آواز سنی تو اس نے پوچھا کہ یہ مکروہ اور خوفناک آواز کیا ہے۔ اس کی والدہ نے اسے سمجھایا کہ یہ اذان کی آواز ہے۔ مسلمان اذان کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہیں اور یہی ان کا طریقہ ہے۔ لڑکی نے ماں کی بات کا یقین نہ کیا اور مجھ سے آواز کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے اس کی ماں کی بات کی تصدیق کر دی کہ اذان کی آواز ہے۔ اسے میری بات سن کر ایسا خوف آیا کہ اس کا رنگ ہلدی کی مانند زرد پڑ گیا۔ اس نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ مسلمان بننا نہیں چاہتی اور کبھی بھی اسلام قبول نہ کرے گی۔

میں اس موذن کا مشکور ہوں کہ اس نے ہماری

مشکل حل کر دی ہے۔ اور یہ حقیر سا نذرانہ آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں وہ موذن بھی آگیا کافر نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ جناب موذن صاحب آپ میرے محسن ہیں۔ میں آپ کا ممنون و مشکور ہوں۔ تاحیات آپ کا بے دام غلام رہوں گا۔ میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول فرمادیں۔ مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں آپ کی زیادہ خدمت نہ کرسکا۔ کاش میں کسی ریاست کا راجہ ہوتا تو آپ کو سونے میں تول کر نذرانہ پیش کرتا۔ اور آپ کا منہ زر و جواہر سے بھر دیتا۔

تقدیر اور تدبیر کا کھیل

کسی گاؤں میں ایک غریب شخص رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک گدھا بھی تھا لیکن گدھے پر پالان نہ تھا۔ وہ بیچارہ جنگل سے لکڑیاں گدھے کی پیٹھ پر لاد کر لے آتا اور بستی میں ضرورت مندوں کے ہاتھ فروخت کرتا تھا۔ اسے اتنے پیسے ملتے تھے کہ اس سے اس کا اور گدھے کا وقت مشکل سے پورا ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ اسی کوشش میں لگا رہتا کہ کہیں سے چار پیسے بچ جائیں تو وہ اپنے گدھے کے لیے پالان خرید سکے۔ چند مہینے بچت کرتے رہنے کے بعد اس کے پاس اتنے پیسے جمع ہوگئے کہ وہ ایک نئی پالان خرید کر لے آیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو حیران و پریشان ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی بھیڑیا اس کے گدھے کو چیر پھاڑ کر اپنا شکار بنا چکا تھا اور چند ہڈیاں پڑی تھیں۔ وہ غریب اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وائے ری قسمت جب پالان نہیں تھی تو گدھا تھا۔ جب گدھا نہیں تو پالان موجود ہے۔

وضاحت: بندہ بیچارہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے اور تقدیر اپنا کام دکھا جاتی ہے سچ ہے، تدبیر کند بندہ۔ تقدیر زند خندہ۔

بادشاہ کی خدمت میں غریب کا تحفہ

پرانے وقتوں کا ذکر ہے کہ ایک خلیفہ کی سخاوت دور دور تک مشہور تھی۔ گو حاتم طائی بھی سخاوت میں بڑا نام رکھتا تھا لیکن خلیفہ کی داد و دہش اس سے بڑھ کر تھی۔ ضرورت مند دور نزدیک سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اس کے دربار میں حاضری دیتے رہتے تھے اور اس کی عنایات سے خوب جھولیاں بھر کر ہنسی خوشی گھروں کو واپس جاتے تھے۔ اس خلیفہ کے دور خلافت میں ایک اعرابی عسرت سے زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ایک دن اس کی بیوی نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم سا بدنصیب اور غریب شاید ہی کوئی ہو کیونکہ ہمارے پاس نہ تو کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور نہ ہی تن ڈھانپنے کو مناسب کپڑا لتا۔ غیر تو ہم سے دور رہتے ہی تھے۔ اب تو اپنے عزیز رشتے دار بھی نظریں چراتے ہیں۔ اگر کہیں آنکھیں چار ہو جائیں تو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں نہ معلوم ہماری یہ غریبی کب دور ہوگی۔ اعرابی نے اپنی بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ نیک بخت کافی سے زیادہ زندگی گزر گئی ہے جو تھوڑی بہت باقی ہے وہ بھی گزر جائے گی۔ قناعت بہت بڑی چیز ہے تو کیوں حرص و ہوس میں اپنے آپ کو مبتلا کرتی ہے۔ خاوند کی باتیں سن کر بیوی جھلا اٹھی۔ اور خاوند سے کہنے لگی۔ پتا نہیں تیری عزت کو کیا ہوا تو بے عزتی اور مفلسی کی زندگی کو قناعت کا نام دیتا ہے تیرا تو وہی حال ہے کہ

"ہاتھ نہ پہنچے تھو کوڑی"

محنت مزدوری کر کے اپنی آمدنی بڑھانے کی ترکیب نہیں سوچتا۔ الٹا قناعت کی رٹ لگاتا ہے۔ اعرابی کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے اپنی اہلیہ کو کھری کھری سنانا شروع کر دیں۔ ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس نے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا نہ کی تو وہ خود گھر چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا۔

اب تو اس کی بیوی گھبرا گئی اور اپنے خاوند کی منت سماجت کرنے لگ گئی۔ اعرابی نے اپنا غصہ تھوک دیا۔ اور بیوی سے کہا کہ اب تم ہی کوئی ترکیب سوچو کہ ہماری غربت دور ہو۔ اعرابی کی بیوی بولی کہ آج کل خلیفہ بغداد کی سخاوت کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر تم بھی خلیفہ سے جا کر مل لو تو مجھے یقین ہے کہ ہماری غربت دور ہو جائے گی۔ غریب اعرابی نے کہا کہ مجھ جیسا غریب اور نادار شخص خلافت میں کس طرح باریابی حاصل کرسکتا ہے خلیفہ کے دربار میں کیا تحفہ لے کر جاؤں۔ بیوی نے ایک مشکیزہ پانی کا بھر کر رکھا تھا۔ کہنے لگی یہی پانی کا مشکیزہ تحفے کے طور پر لے جاؤ۔ جب دربار خلافت میں پہنچنا تو عرض کرنا کہ جس بیابان و صحرا سے میں آیا ہوں وہاں اس میٹھے پانی سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں تھی جو میں آپ کے حضور پیش کرتا۔ اعرابی کی سمجھ میں بیوی کی بات آگئی۔ اور وہ دربار خلافت میں حاضری دینے پر رضامند ہوگیا۔ وہ پانی کا مشکیزہ اٹھا کر بغداد کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ جب وہ گھر سے چلا گیا تو اس کی عقلمند بیوی نے مصلے بچھا کر خدا کے حضور دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ اللہ پاک نے اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اعرابی جب بغداد پہنچا تو اس نے جدھر دیکھا۔ حاجت مند ہی دکھائی دیئے۔ اور جھولیاں بھر بھر کر واپس اپنے گھروں کو جا رہے تھے وہ شاہی محل کے دروازے پر جا پہنچا۔ جب چوبداروں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اور یا کام ہے؟ اس نے جواب میں عرض کیا کہ اگر آپ میری عزت کریں تو میں ایک عزت دار ہوں۔ شریف ہوں۔ اور اگر بے رخی سے پیش آؤ تو میں کمین اور بے عزت ہوں۔ مسافر ہوں۔ دور سے آیا ہوں۔ اور خلیفہ کے لیے یہ پانی کا مشکیزہ تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس میں

گو حاتم طائی بھی سخاوت میں بڑا نام رکھتا تھا لیکن خلیفہ کی داد و دہش اس سے بڑھ کر تھی۔ ضرورت مند دور نزدیک سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اس کے دربار میں حاضری دیتے رہتے تھے اور اس کی عنایات سے خوب جھولیاں بھر کر ہنسی خوشی گھروں کو واپس جاتے تھے۔ اس خلیفہ کے دور خلافت میں ایک اعرابی عسرت سے زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ایک دن اس کی بیوی نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم سا بدنصیب اور غریب شاید ہی کوئی ہو کیونکہ ہمارے پاس نہ تو کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور نہ ہی تن ڈھانپنے کو مناسب کپڑا لتا۔ غیر تو ہم سے دور رہتے ہی تھے۔ اب تو اپنے عزیز رشتے دار بھی نظریں چراتے ہیں۔ اگر کہیں آنکھیں چار ہو جائیں تو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں نہ معلوم ہماری یہ غریبی کب دور ہوگی

ہمارے علاقے کا بہترین تحفہ میٹھا پانی ہے۔ چوبداروں نے اس سے مشکیزہ لے کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جسے خلیفہ نے غریب کا تحفہ سمجھتے ہوئے بخوشی قبول کر لیا۔ اور غلام کو حکم دیا کہ اعرابی کے مشکیزے کو خالی کر کے اشرفیوں سے بھر دو۔ اور ایک لباس فاخرہ بھی اعرابی کو دو تا کہ اسے اپنے سفر کی تکلیف بھول جائے۔ خادموں کی کیا مجال کہ خلیفہ کا حکم ٹالتے۔ انہوں نے خلعت کے ساتھ کچھ اور انعام و اکرام بھی اعرابی کو دیئے۔ خلیفہ نے یہ حکم بھی دیا کہ چونکہ خشکی کا راستہ کٹھن اور لمبا ہے اسے دریائی راستے سے روانہ کرو۔ اور راستے کا تمام خرچ بھی خزانہ شاہی سے ادا کر دیا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ اعرابی خلیفہ کو دعائیں دیتا ہنسی خوشی گھر کو روانہ ہوا۔ اور خدا کا شکر بجا لایا۔

وضاحت: اللہ کے نیک بندوں کو تحفوں کی نہیں بلکہ خلوص کی پہچان ہوتی ہے خلیفہ نے اعرابی کے تحفے کو اس لیے اہمیت دی کہ ریگستان میں پانی بہت بڑی نعمت ہوتا ہے اور وہ بھی میٹھا پانی۔ جب کہ شہروں میں پانی کی بہت ناقدری کی جاتی ہے۔ اللہ پاک بھی انسان کی نیت دیکھ لیتا ہے۔ اسے سینکڑوں نوافل و ہزاروں کے صدقہ و خیرات سے غرض نہیں ہوتی جب کہ آج کل یہ رواج ہے کہ جب بھی راہ خدا کوئی کام کرنا ہو تو پہلے اس کی خوب تشہیر کی جاتی ہے اگر کسی نے ادائیگی زکوٰۃ کرنا ہو تو وہ بھی پہلے اخبارات کے ذریعے یا مساجد میں لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرواتا ہے۔ کہ فلاں رئیس فلاں دن زکوٰۃ تقسیم کریں گے اس دن اخبارات کے فوٹوگرافر اس کی سخاوت کے ثبوت میں اس کی تصاویر اپنے اخبارات میں شائع کرتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

طاقتور اور کمزور کا کوئی جوڑ نہیں

کسی جنگل میں ایک شیر ایک بھیڑیا اور ایک لومڑی اکٹھے مل کر شکار کو نکلے۔ شیر (جسے جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں) بھیڑیے اور لومڑی کو ساتھ لے کر چلنے میں اپنی توہین خیال کرتا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔ انہوں نے ایک نیل گائے، ایک ہرن اور ایک خرگوش شکار کیے۔ ان تینوں شکاروں کو گھسیٹ کر وہ ایک کھلی جگہ پر لے آئے۔ تینوں شکاری (شیر، بھیڑیا اور لومڑی) اپنے سامنے شکار کو دیکھ کر اپنے اپنے دانت تیز کرنے لگ گئے۔ بھیڑیے اور لومڑی کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شکار میں انہیں برابر کا حصہ ملنا چاہیے۔ شیر کو ان کے ارادے کا علم ہو گیا۔ پہلے تو اس نے خاموشی اختیار کی لیکن تھوڑی دیر بعد دھاڑا۔ کہ تم دونوں ذلیل اور کمینے ہو۔ تمہیں تمہاری لالچ کی سزا میں کس طرح دیتا ہوں۔ اس نے بھیڑیے کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا کہ تم اس شکار کو پورے انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔ جب بھیڑیے کو شیر کا حکم سنائی دیا وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ اے جنگل کے بادشاہ آپ ہم سے بڑے ہیں۔ اس لیے نیل گائے آپ کی ہوئی۔ کیونکہ نیل گائے بڑی ہے۔ ہرن اس سے چھوٹا ہے یہ میرا ہوا۔ اور لومڑی چونکہ سب سے چھوٹی ہے اس لیے سب سے چھوٹا شکار یعنی خرگوش اس کے حصے میں آتا ہے۔

شیر نے جب یہ تقسیم سنی تو آگ بگولا ہو کر دھاڑنے لگا۔ ارے کمین اور کم ظرف کتے۔ تیری یہ مجال کہ میرے ہوتے ہوئے تو شکار کو میرا تیرا حصہ کہہ کر بانٹ رہا ہے۔ ذرا میرے سامنے تو آ۔ جونہی بھیڑیا اس کے سامنے حاضر ہوا۔ شیر نے جست لگا بھیڑیے کی گردن دبوچ لی۔ اور ایک ہی آن میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ لومڑی خوفزدہ ہو کر دور کھڑی بھیڑیے کا انجام دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچ رہی تھی۔ شیر نے لومڑی کو آواز دے کر کہا کہ وہ شکار کو تقسیم کرے۔ لومڑی نے پہلے تو شیر کو دست بستہ ہو کر سلام کیا پھر عرض کیا بادشاہ سلامت میری کیا مجال کہ آپ کے ہوتے ہوئے شکار کو تقسیم کروں لیکن آپ کی حکم عدولی بھی نہیں کر سکتی ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ موٹی تازی نیل گائے بادشاہ سلامت کے ناشتے کے لیے مناسب رہے گی اور ہرن کی یخنی بہت لذیذ بنتی ہے اس لیے دوپہر کو آپ کی یخنی کے کام آئے گی۔ جب شام ہو گی تو یہ خرگوش حضور تناول فرما کر سو جائیں گے شیر نے جب یہ تقسیم سنی تو بہت خوش ہوا اور تحمل سے بولا۔ اے باادب اور معزز لومڑی! ایسی منصفانہ تقسیم آپ کو کس نے سکھائی؟ لومڑی نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ حضور کا اقبال بلند ہو۔ تقسیم کا یہ منصفانہ طریقہ اس بھیڑیے نے سکھایا ہے۔ شیر اس کا جواب سن کر بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے عقل مند لومڑی! تم نے میری خاطر اپنی ذات کو مٹا دیا، میں تم سے بہت خوش ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ تینوں شکار اب تم ہی لے جاؤ۔ جب تم نے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیا پھر ہم تمہیں دور کیوں رکھیں ہم بھی تیرے ہیں تو آج سے اس جنگل میں جہاں رہنا چاہے جو چیز شکار کرنا چاہے تمہیں اجازت ہے۔

شیر نے جب یہ تقسیم سنی تو آگ بگولا ہو کر دھاڑنے لگا۔ ارے کمین اور کم ظرف کتے۔ تیری یہ مجال کہ میرے ہوتے ہوئے تو شکار کو میرا تیرا حصہ کہہ کر بانٹ رہا ہے۔ ذرا میرے سامنے تو آ۔ جونہی بھیڑیا اس کے سامنے حاضر ہوا۔ شیر نے جست لگا بھیڑیے کی گردن دبوچ لی۔ اور ایک ہی آن میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ لومڑی خوفزدہ ہو کر دور کھڑی بھیڑیے کا انجام دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچ رہی تھی۔ شیر نے لومڑی کو آواز دے کر کہا کہ وہ شکار کو تقسیم کرے۔ لومڑی نے پہلے تو شیر کو دست بستہ ہو کر سلام کیا پھر عرض کیا بادشاہ سلامت میری کیا مجال کہ آپ کے ہوتے ہوئے شکار کو تقسیم کروں لیکن آپ کی حکم عدولی بھی نہیں کر سکتی ہوں۔

تشریح:

اس حکایت سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اپنوں اور بیگانوں کا انجام دیکھ کر ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے اور ایسے کاموں اور باتوں سے احتراز کرنا چاہیے جو ہمارے عزیزوں اور غیروں کے برے انجام کا موجب بنیں۔ اگر ہم احتیاط سے کام نہ لیں گے تو کل ہمارا بھی وہی انجام ہو سکتا ہے جو بے چارے بھیڑیے کا ہوا ہے۔

اسکول کے رجسٹر میں روزانہ غیر حاضری لگتی تھی

سعادت حسن منٹو کی زندگی کا عبرت انگیز ورق

دبلا پتلا، گورا چٹا، لمبا تڑنگا۔ بڑی بڑی غضب کی شریر آنکھیں، اور پھر ان شریر آنکھوں میں بلا کی ذہانت و فطانت۔ ڈھیلا ڈھالا بنگالی وضع قطع کی قمیص، بڑی موری کا پاجامہ۔ پورا لباس کھدر کا، جو منٹو کے گورے چٹے رنگ جیسا صاف شفاف اجلا ورق۔ طالب علمی کے زمانے میں میں نے منٹو کو جب بھی دیکھا تو کچھ اس طرح سے دیکھا کہ اس کی بغل میں ناول کا تھدا ہے۔ ایک ہاتھ میں کسی پیٹنٹ دوا کی بوتل ہے تو دوسرے میں ایک ٹوکری میں چند مالٹے ہیں اور چند سیب۔ اور پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد دیکھنے والوں نے اس کی بغل میں اور دونوں ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں دیکھیں اور یہ بوتلیں مرتے دم تک اس کے ہاتھوں ہی میں رہیں، لیکن یہ شراب بدلتی رہی۔ شیمپین سے پورٹ بنی اور پھر پورٹ سے ٹھرا اور پھر یہ بدلتی ہوئی شراب نے منٹو کو بھی بدلنا شروع کر دیا۔ اور جب زیادہ بدلنے کی اس میں سکت نہ رہی تو قدرت کا لمبا ہاتھ بڑھا اور اس نے ان سب شراب کی بوتلوں کو توڑ دیا۔ اس کشمکش میں منٹو کی زندگی کا ساغر بھی ٹوٹ گیا۔ اور اس طرح برصغیر کے اس عظیم پایہ افسانہ نویس کی زندگی کا افسانہ ختم ہوگیا۔ اس افسانے کا انجام کیا ہوا؟ المیہ یا طربیہ! اس کا جواب ملک کے افسانہ نویس دیں گے۔ اور یا وہ لوگ دیں گے جو سعادت کو جانتے تھے۔ اور جو منٹو سے واقف تھے۔ میرے لیے تو وہ منٹو مر گیا جو میرے اسکول کا ساتھی تھا۔ جو خود میرے لیے ایک زمانے میں چلتا پھرتا افسانہ تھا۔ میں نے ہمیشہ اسے کتابوں اور دواؤں سے لدا پھندا دیکھا۔ سیکڑوں نسخے اس کی نوک زبان تھے۔ جب دیکھو خرخوں خرخوں بلغم تھوکتا۔ ظاہری آنکھ سے دیکھیے یا خردبین سے، یہ بلغم خالص بلغم تھا لیکن منٹو کی آنکھوں کو اس بلغم میں سینکڑوں افسانوی حقیقتیں نظر آتیں تھیں کبھی تو وہ اس میں پھیپھڑوں کے خون کی آمیزش پاتا اور کبھی دق کا کوئی شاہکار کہ جیسے وہ بچپن ہی سے اپنے لیے موت ڈھونڈ رہا تھا۔ کچھ تو سچ مچ وہ بیمار رہتا تھا اور کچھ وہ بیمار بننے کا شوقین بھی تھا، بچپن میں وہ بڑا دھان پان تھا۔ بے پناہ لاغر وضعیف، لیکن شریر ایسا کہ جیسے بجلیاں کوٹ کوٹ کر اس کے جسم میں بھر دی گئی ہوں۔

منٹو کے بارے میں اس کے ہم جماعتوں کی رائے میں بڑے اختلافات تھے۔ لکھنے پڑھنے والے اور سیدھے سادے لڑکے اسے بدمعاش سمجھتے تھے اور بدمعاش مظلوم۔ یہی وجہ ہے کہ منٹو سب میں رہ کر سب سے علیحدہ نظر آتا تھا۔ اس کے مذاق میں اور اس کی شرارتوں میں اور اس کے لکھنے پڑھنے کے طریقوں میں ایک نیا پن محسوس ہوتا تھا۔

اسکول کے رجسٹر میں روزانہ غیر حاضر لگتی لیکن وہ نہایت پابندی سے اسکول آتا۔ یا تو کسی نئے لڑکے سے دوستی گانٹھنے اور یا کسی کو "آلو چھولے" کھلا کر الیگزینڈر ڈوماز کے کسی ناول کا پلاٹ سنا کر فخر محسوس کرنے۔ وہ جب کسی ناول کا پلاٹ سناتا تو اس طرح سناتا کہ جیسے وہ خود ناول کا مصنف ہے۔ ہفتے عشرے میں ایک بار منٹو جماعت میں بھی نظر آجاتا۔ بڑا سا بستہ سامنے میز پر رکھا ہے اور منٹو مطالعہ میں مستغرق ہے۔ بستہ میں اوپر کی کتاب سوہن لال کا جغرافیہ ہے اور بیچ میں چارلس گاروس کے دو چار ناول ہیں۔ مولوی صاحب دینیات پڑھا رہے ہیں اور منٹو صاحب "ریزن آف شی" پڑھ رہے ہیں اور لطف تو یہ کہ دونوں اپنی اپنی جگہ خوش ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں یہ ناول اور یہ افسانوں کی کتابیں منٹو کا اوڑھنا بچھونا بن گئیں۔ ناول اور افسانوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ناول کے سیکڑوں پلاٹ اس کے ذہن میں الجھ کر رہ گئے۔ اسکی زندگی بے شمار پلاٹوں کا جال بن گئی اور اس کا کردار ناولوں کے سیکڑوں کرداروں کا ایک مرقع بن گیا۔ یاد رہے کہ منٹو نے ابھی قلم نہیں اٹھایا تھا۔ کیوں کہ اس کی عملی زندگی میں بے شمار افسانے پھوٹ رہے تھے۔ اور اس کی زندگی ایک افسانوی زندگی بن گئی تھی، اس کی ہر حرکت ایک پلاٹ، اس کی ہنسی



سس پینس اور اس کے آنسو کلائیکس، جو بات کرتا چونکہ دینے والی۔ انگریزی بولتا تو بے تکان بولتا۔ لیکن خالص ناولانہ انگریزی اور وہ بھی کسی چونی والے ناول کی، ایسے ناول کی جو اسے جیب خرچ کے پیسوں سے آسانی سے مل جاتا۔ اور چوں کہ بے خود و بے اختیار ہو کر خاص خاص جوش و خروش کے موقع پر وہ بے سوچے سمجھے بولتا تو اس کی انگریزی خالص ''ٹامیانہ'' انگریزی بن جاتی۔ اسی باعث اس کے ہم مکتب ایک تو اس کے ٹامیانہ رنگ و روپ کی وجہ سے اور

تھا کہ منٹو نے سیکڑوں مشغلوں اور مصروفیتوں کے باوجود میٹرک پاس کرلیا۔ وہ ریاضی میں بھی پاس ہوگیا۔ امتحان سے دو مہینے پہلے اس نے بڑی سنجیدگی سے محنت کی۔ ورنہ شروع سال میں تو اسے اس کے سنسنی خیز منصوبوں کی تکمیل اور ناولوں کے مطالعہ ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے پیسے چراتا اور ناول خریدتا۔ رشتہ داروں اور دوستوں سے قرض لیتا اور ناول خریدتا۔ والد سے فیس اور جرمانوں اور پکنک اور مختلف تقریبوں کے نام سے پیسے لیتا

اپنی انگریزی میں ناول کے پلاٹ کو بالاختصار قلم بند کرتا اور ابا اصلاح کرتے۔ اس طرح ایک غیر محسوس طریقے پر منٹو کی انگریزی کی اصلاح ہوتی رہی۔ تھوڑے دنوں بعد میں نے ابا کو یہ کہتے سنا کہ منٹو کی انگریزی پر کسی انگریزی مصنف کی تحریر کا گمان ہوتا ہے۔ منٹو کی انگریزی تحریر میں بلا کی روانی تھی۔ بزرگوں کا اندازہ تھا کہ یہ لڑکا اگر صحیح راستے پر پڑ گیا تو انگریزی زبان کا بے مثل مصنف ہوگا۔ اور اگر خدا نا خواستہ بھٹک گیا تو کم از کم اخبار نویس تو بن ہی جائے گا۔ انگریزی

منٹو نے سیکڑوں مشغلوں اور مصروفیتوں کے باوجود میٹرک پاس کرلیا۔ وہ ریاضی میں بھی پاس ہوگیا۔ امتحان سے دو مہینے پہلے اس نے بڑی سنجیدگی سے محنت کی۔ ورنہ شروع سال میں تو اسے اس کے سنسنی خیز منصوبوں کی تکمیل اور ناولوں کے مطالعہ ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے پیسے چراتا اور ناول خریدتا۔ رشتہ داروں اور دوستوں سے قرض لیتا اور ناول خریدتا۔ والد سے فیس اور جرمانوں اور پکنک اور مختلف تقریبوں کے نام سے پیسے لیتا اور ناول خریدتا دوستوں کے والدین سے دوستی گانٹھتا، رشتے نکالتا، کسی کو ماموں جان کہتا اور کسی کو چچا میاں۔ اور ذرا ان کی نظر چوکتی اور منٹو انہیں چچا بنا کر چھوڑتا۔ کوئی کتاب اڑائی اور چمپت۔ ویلر کی دکان پر تو ایک مرتبہ وہ پکڑا بھی گیا۔ جب پولیس کے سپاہی اسے تھانے لے جانے لگے تو اس نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ لوگ سمجھے کہ سیاسی ملزم ہے۔ وہ کتابوں کا عاشق تھا۔ لیکن اس کے ذوق وشوق کے مطابق اسے کتابیں نہیں ملتی تھیں۔ ایک طالب علم کا جیب خرچ ہی کیا زیادہ سے زیادہ دو چار کتابیں خرید لیتا جو ایک دن اور ایک رات میں ختم کرلیتا۔ وہ بے شمار کتابیں پڑھنا چاہتا تھا اور بقول اس کے وہ ''بے تحاشا'' کتابیں پڑھتا تھا۔

دوسرے اس کی ٹامیانہ انگریزی کی وجہ سے اسے ٹامی کہتے۔ چنانچہ اس کے اسکول کے ساتھی اسے آج بھی ٹامی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ٹامی عمر میں مجھ سے پانچ چھ سال بڑا تھا۔ میں ساتویں درجے میں پڑھتا تھا اور وہ نویں میں۔ اگرچہ اچھے بچے اس کے پاس سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے لیکن میرا جی یہ چاہتا کہ میں دن رات اس کے پاس بیٹھا رہوں اور اس کی عجیب و غریب باتیں اس کے خاص انداز اور لہجے میں سنتا رہوں اور اس کی حرکتیں دیکھتا رہوں۔ امتحان کا زمانہ آتا اور گزر جاتا۔ لڑکے دن رات پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتے۔ منٹو بھی دن رات کتاب کے مطالعے میں غرق رہتا۔ لیکن کتاب نصاب سے باہر کوئی سنسنی خیز ناول ہوتا۔ یہ ''سنسنی خیزی'' منٹو کو بھی خاصا سنسنی خیز بنا گئی۔

میرے والد محمد عمر خان مسلم ہائی اسکول امرتسر کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ منٹو کے استاد بھی تھے اور دوست بھی۔ منٹو ایسی منفرد شخصیتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا اور ان سے کام لینے کا سلیقہ کچھ ان ہی کو آتا تھا۔ اور یہ انہی کا دم

اور ناول خریدتا دوستوں کے والدین سے دوستی گانٹھتا، رشتے نکالتا، کسی کو ماموں جان کہتا اور کسی کو چچا میاں۔ اور ذرا ان کی نظر چوکتی اور منٹو انہیں چچا بنا کر چھوڑتا۔ کوئی کتاب اڑائی اور چمپت۔ ویلر کی دکان پر تو ایک مرتبہ وہ پکڑا بھی گیا۔ جب پولیس کے سپاہی اسے تھانے لے جانے لگے تو اس نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ لوگ سمجھے کہ سیاسی ملزم ہے۔ وہ کتابوں کا عاشق تھا۔ لیکن اس کے ذوق وشوق کے مطابق اسے کتابیں نہیں ملتی تھیں۔ ایک طالب علم کا جیب خرچ ہی کیا زیادہ سے زیادہ دو چار کتابیں خرید لیتا جو ایک دن اور ایک رات میں ختم کرلیتا۔ وہ بے شمار کتابیں پڑھنا چاہتا تھا اور بقول اس کے وہ ''بے تحاشا'' کتابیں پڑھتا تھا۔ میرے والد نادانستہ طور پر منٹو کی اس چوری میں برابر کے شریک تھے، وہ کتاب چرا کر لاتا۔ پہلے خود پڑھتا پھر ابا کو دیتا۔ جب ابا پڑھ لیتے تو وہ اور ابا ناول کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے۔ پھر ابا اس سے کہتے کہ وہ اس ناول کے پلاٹ کو اپنی انگریزی میں لکھ کر دکھائے۔ وہ

زبان کے اعتبار سے اب منٹو ''ٹامیت'' کی حدود سے گزر چکا تھا۔ اور اب وہ اردو زبان میں ٹامیت اختیار کر رہا تھا۔ انٹرنس کے امتحان میں اردو ایک لازمی مضمون ہے، پھر اسکول میں منٹو کو کچھ ایسے بزرگ بھی مل گئے تھے جو اردو کے شیدائی تھے۔ شاعر اور ادیب تھے۔ اردو کے استاد رانا مبارک مند خاں سالک صہبائی نے منٹو کو اردو کا چسکا لگایا۔ اس کا خط بڑا پاکیزہ تھا۔ دسویں جماعت میں سالک صاحب اسے روزانہ املا لکھواتے۔ لیکن ہوتا یہ کہ سالک صاحب کو خود ہی سارا املا لکھنا پڑتا۔ ایک لفظ بھی صحیح نہ ہوتا۔ منٹو اور سالک صاحب میں دوستی بڑھنے لگی۔ سالک صاحب بھی اپنی وضع کے ایک ہی بزرگ تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور ادیب بھی۔ بلا کے ذہین انسان۔ صاحب طرز ادیب خوب لکھتے تھے۔ بڑا وسیع مطالعہ تھا۔ مسجد کے صحن اور مکتب کی چٹائی پر بیٹھ کر پڑھا تھا۔ بڑے وضع دار انسان تھے۔ گوشہ نشین اور درویش۔ پنجابی اور دیہاتی۔ کھوئے کھوئے سے رہتے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی
زندگی کی روشن داستان

معرکہ احد (۷ شوال ۳ ہجری) ختم ہوا تو میدانِ جنگ ایک دلدوز منظر پیش کر رہا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر جاں نثاروں کی خون آغشتہ لاشیں دور دور تک بکھری پڑی تھیں۔ مشرکین نے اپنے خبثِ باطن اور جوشِ انتقام کا مظاہرہ یوں کیا تھا کہ تقریباً سبھی شہیدانِ حق کی لاشوں کا مثلہ کر ڈالا تھا، ان کے کان، ناک اور ہونٹ کاٹ پھینک دیئے تھے یا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لڑائی میں سخت زخمی ہو گئے تھے لیکن آپ کو اپنے زخموں کا کوئی خیال نہیں تھا۔ البتہ اپنے اس قدر جاں نثاروں کے بچھڑنے کا شدید صدمہ تھا۔ لڑائی کے بعد حضورؐ میدانِ جنگ کے جائزے کے لیے نکلے تو چشم ہائے مبارک سے سیلِ اشک رواں تھا اور روئے انور پر شدید حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ گشت کرتے ہوئے آپ ﷺ ایک لاش کے قریب آ کر رک گئے۔ مشرکین نے اس شہیدِ راہِ خدا کی لاش کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ انتہا درجے کی بہیمیت اور قساوتِ قلبی کا آئینہ دار تھا۔ بدبختوں نے اس مقدس لاش کے نہ صرف ہونٹ ناک اور کان کاٹ لیے تھے بلکہ شکم کو بھی جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالا تھا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لاش کو دیکھا تو آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور لسانِ رسالت پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

''تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔''

یہ شہیدِ راہِ حق جن کے لیے خیر الخلائق فخرِ موجودات سید الانام رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے رحمت کی اور جن کے محاسن اخلاق کی برملا تحسین فرمائی، غم رسول حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب الہاشمی تھے۔


مسجدِ نبوی ﷺ کی خوب صورت محراب کا منظر

سیدنا حضرت حمزہؓ کا شمار راہِ حق میں اپنی جانوں کو بیچ دینے والے ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کی جلالت قدر پر مسلمانوں کے سبھی مکاتب فکر کا کامل اتفاق ہے۔ ان کے حسب و نسب کے لیے اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ (حضورؐ کے والد حضرت عبداللہ، حضرت حمزہؓ کے علاتی بھائی تھے) اس کے علاوہ ان کو حضورؐ سے دو نسبتیں اور بھی تھیں۔ ایک یہ کہ حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری، حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت اہیب (یا وہیب) زہری کی چچا زاد بہن تھیں، اس نسبت سے حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے۔ دوسری یہ کہ ابولہب کی لونڈی ثوبیہؓ نے حضرت حمزہؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت حمزہؓ حضورؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

حضرت حمزہؓ کے سالِ ولادت کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ حضور سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور بعض نے چار سال کا فرق بیان کیا ہے۔ دونوں قسم کی روایتیں برابر کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ تفاوت دو سال کا ہو یا چار سال کا اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ثوبیہؓ نے حضرت حمزہؓ اور حضورؐ پر نور کو علیحدہ علیحدہ وقت میں دودھ پلایا ہوگا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

حضرت حمزہؓ کی کنیت ابو عمارہ بھی تھی اور ابو یعلیٰ بھی۔ سید الشہداء، اسد اللہ اور اسد الرسول مشہور القاب ہیں۔

حضرت حمزہؓ کے بچپن کے حالات پردۂ اخفاء میں ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ پتا چلتا ہے کہ انہیں بچپن سے ہی شمشیر زنی تیر اندازی اور پہلوانی سے گہرا لگاؤ تھا اور سیر و

۱؎ بعض روایتوں میں ہے کہ اس واقعے کی اطلاع حضور کی پھوپی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کو دی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دو عورتوں نے حضرت حمزہؓ کو اس واقعے سے آگاہ کیا۔ بہر صورت حضرت حمزہؓ جونہی شکار سے واپس آئے ان کو کسی نہ کسی ذریعے سے اس واقعے کی اطلاع مل گئی۔

شکار کا بھی بے انتہا شوق تھا۔ جوان ہوئے تو قریش کے نامور بہادروں کی صف میں جگہ پائی لیکن وہ قبائل کے باہمی جھگڑوں میں شاذ ہی کبھی حصہ لیتے تھے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ سیر و شکار میں گزارتے تھے۔

بعثت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید دیتے چھ سال ہونے کو آئے تھے لیکن حضرت حمزہؓ نے حضورؐ سے بے انتہا محبت رکھنے کے باوجود کبھی دعوت اسلامی کی طرف توجہ نہ کی۔ شاید اس زمانے میں ان کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی تازہ شکار مارنا اور کھانا تھا، اسی مذاق طبیعت نے انہیں دعوت حق پر غور کرنے کی کبھی مہلت ہی نہ دی۔ ان کے یہی لیل و نہار تھے کہ ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے ان کے قلب و نظر کی دنیا بدل دی اور وہ دین حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔ ہوا یوں کہ (۶ بعد بعثت میں) ایک روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم سے نکل کر صفا (یا بروایت دیگر حجون) کے پاس سے گزر رہے تھے (یا بعض روایتوں کے مطابق اسی جگہ کے قریب لوگوں کو دعوت توحید دے رہے تھے) کہ ابو جہل کا گزر اس طرف سے ہوا، اس کے ساتھ عدی بن حمراء اور ابن الاصداء بھی تھے۔ ابو جہل نے حضورؐ کو دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور آپ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور ساتھ ہی دین حق کے بارے میں بھی نہایت رکیک الفاظ استعمال کیے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے حضور ﷺ پر مٹی اور گوبر پھینکا اور آپ پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلق عظیم کے اقتضا سے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا اور ابو جہل کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر بکتا جھکتا چلا گیا اور حضورؐ بھی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے بنو تیم کے رئیس عبداللہ بن جدعان کی (آزاد کردہ) لونڈی کوہِ صفا پر اپنے گھر میں بیٹھی یہ سارا واقعہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آتے ہوئے اس کے گھر کی طرف سے گزرے تو اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں موجود ہوتے تو دیکھتے کہ عمرو بن ہشام (ابو جہل) نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا، نہایت سخت گالیاں بھی دیں اور بری طرح ستایا بھی لیکن ابن عبداللہ نے کچھ جواب نہیں دیا اور بے بسی کے ساتھ واپس چلے گئے۔''

حضرت حمزہؓ کا جواب سن کر مخزومیوں نے ان سے لڑنا چاہا تو ابو جہل کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس طرح بنو مخزوم اور بنو ہاشم کے درمیان رزم و پیکار کی ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کسی کے بجھائے سے نہ بجھے گی۔ چنانچہ اس نے مخزومیوں سے کہہ دیا کہ وہ حضرت حمزہؓ سے کچھ تعرض نہ کریں۔

حضرت حمزہؓ نے جوش حمیت میں اپنے اسلام کا اعلان تو کر دیا لیکن جب گھر پہنچے تو دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ ''میں نے قریش کا سردار ہوتے ہوئے محمدؐ کا نیا دین قبول کر لیا اور اپنے آبائی دین سے پھر گیا۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے اس سے تو مر جانا اچھا ہے۔'' اسی وسوسہ اور تردد کے عالم میں انہوں نے اللہ سے دعا کی۔

''اے اللہ! یہ راستہ جو میں نے اختیار کیا ہے اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو میرے دل کو اس کی تصدیق سے سکون و تسلی بخش ورنہ جس چیز کے اندر میں مبتلا ہوں میرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔''

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل کو زخمی کرنے کے بعد حضرت حمزہؓ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ ''برادر زادے! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

حضورؐ نے فرمایا: ''چچا جان! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا، میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ غیر اللہ سے منقطع ہو کر دین حق کی پیروی کریں۔''

حضورؐ کی اس دعوت حق کے بعد وہ سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گئے اور اسی حالت میں انہوں نے اس الجھن سے نجات پانے کی دعا کی۔ رات اسی کشش و پیچ میں گزر گئی، صبح ہوئی تو وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ذہنی الجھن کا حال بیان کیا۔ حضورؐ نے ان کو نہایت بلیغ پیرائے میں اسلام کی حقانیت سمجھائی، اللہ کا خوف دلایا اور قبول حق کے صلے میں جنت کی بشارت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر حضرت حمزہؓ کا دل یقین اور ایمان کے نور سے معمور ہو گیا اور وہ پکار اٹھے:

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں آپ اپنے دین کا خوب اظہار کیجئے۔ واللہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ میرے اوپر آسمان سایہ فگن ہو اور میں اپنے پہلے دین پر قائم رہوں۔''

قبول اسلام کے بعد حضرت حمزہؓ کا بیشتر وقت دارِ ارقم میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرنے لگا۔ ایک دن چند دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ وہیں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھے کہ قریش کے مردِ آہن حضرت عمرؓ بن خطاب نے دار ارقم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک صاحب نے دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو حضرت عمرؓ کو شمشیر بکف کھڑے پایا۔ (بعض روایتوں کے مطابق وہ تلوار کمر سے باندھے ہوئے تھے) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو صحابہ کو تردد ہوا کہ معاملہ خون خرابے تک نہ پہنچے۔ اس وقت حضرت حمزہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے جوش سے کہا، اسے آنے دو اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔

حضرت عمرؓ اندر آئے حضورؐ نے ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا: ''عمر! کہو کس ارادے سے آئے ہو؟'' نبوت کی پر جلال آواز نے حضرت عمرؓ کے جسم پر کپکپی طاری کر دی اور انہوں نے بڑے عجز کے ساتھ کہا۔'' یا رسول اللہ میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔''

بعثت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید دیتے چھ سال ہونے کو آئے تھے لیکن حضرت حمزہؓ نے حضورؐ سے بے انتہا محبت رکھنے کے باوجود کبھی دعوت اسلامی کی طرف توجہ نہ کی۔ شاید اس زمانے میں ان کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی تازہ شکار مارنا اور کھانا تھا، اسی مذاق طبیعت نے انہیں دعوت حق پر غور کرنے کی کبھی مہلت ہی نہ دی۔ ان کے یہی لیل و نہار تھے کہ ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے ان کے قلب و نظر کی دنیا بدل دی اور وہ دین حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اللہ اکبر فرمایا، ساتھ ہی صحابہ کرامؓ نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ اب حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی صورت میں اسلام کو دو قوی دست وبازو مل گئے۔

۷ بعد بعثت میں مشرکین مکہ نے بنو ہاشم اور بنی المطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت حمزہؓ بھی تین سال تک محصوری کی زہرہ گداز مصائب آلام جھیلتے رہے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اپنے محبوب جاں نثار (آزاد کردہ غلام) حضرت زید بن حارثہ کو حضرت حمزہؓ کا اسلامی بھائی بنا دیا تھا۔ ۱۳ھ بعد بعثت میں حضور نے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت حمزہؓ بھی اکثر دوسرے صحابہ کے ساتھ (حضورؐ کی ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

عاصم بن عمر بن قتادہؓ کا بیان ہے کہ مدینہ پہنچ کر حضرت حمزہؓ نے حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا لیکن واقدی نے لکھا ہے کہ وہ صاحب رحل رسول اللہ حضرت کلثومؓ بن الہدم کے مہمان بنے تھے۔ کچھ عرصہ بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اسلام کے مدنی دور کا آغاز ہو گیا۔

علامہ ابن سعد نے واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا علم حضرت حمزہؓ کو عطا ہوا۔ رمضان ۱ھ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس (۳۰) سوار حضرت حمزہ کی امارت میں ساحلی علاقے کی طرف اس غرض سے روانہ کیے کہ وہ قریش کے اس قافلے کی مزاحمت کریں جو اس زمانے میں شام سے مکہ آ رہا تھا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ فریقین آمنے سامنے ہوئے تو مجدی عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی تک نوبت نہ پہنچنے دی اور حضرت حمزہؓ کسی کشت وخون کے بغیر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

ابن سعدؒ نے اس مہم کا نام "سریہ سیف البحر" لکھا ہے لیکن فی الحقیقت صحیح بخاری کے مطابق "سریہ سف البحر" ۸ھ ہجری میں پیش آیا۔ اس وقت اسلامی لشکر کے امیر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تھے۔ بعض روایتوں میں اس مہم کو سریہ حمزہ کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

اسلام میں سب سے پہلا علم حضرت حمزہؓ کو عطا ہوا۔ رمضان ۱ھ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس (۳۰) سوار حضرت حمزہ کی امارت میں ساحلی علاقے کی طرف اس غرض سے روانہ کیے کہ وہ قریش کے اس قافلے کی مزاحمت کریں جو اس زمانے میں شام سے مکہ آ رہا تھا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ فریقین آمنے سامنے ہوئے تو مجدی عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی تک نوبت نہ پہنچنے دی اور حضرت حمزہؓ کسی کشت وخون کے بغیر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

ایک روایت کے مطابق یہ مہم کسی خاص قافلے کی مزاحمت کے لیے نہیں بھیجی گئی تھی بلکہ عمومی طور پر قریش کے قافلوں کے تجسس کے لیے روانہ کی گئی تھی اور محض اتفاق سے اس کی مڈبھیڑ ابوجہل کے قافلے سے ہو گئی تھی۔

صفر ۲ھ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ یا ستر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ غزوہ ودان یا غزوہ ابواء کے لیے تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کو فوج کا قائد اور علمبردار بنایا۔ اسلامی فوج کے ابواء پہنچنے سے پہلے ہی قریش کا قافلہ وہاں سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اس لیے جنگ وجدال کا موقع پیش نہ آیا تاہم بنو ضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے وہ اس بات کے پابند ہو گئے کہ نہ قریش کی مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کی بلکہ ہر حال میں غیر جانبدار رہیں گے۔

اسی سال جمادی الاخریٰ میں غزوۂ ذوالعشیرہ پیش آیا جس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سو پچاس صحابہ کرامؓ کی معیت میں قریش مکہ کی گوشمالی کے لیے مقام ذوالعشیرہ تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضورؐ نے مجاہدین کی علمبرداری کا شرف حضرت حمزہؓ کو بخشا لیکن اس بار بھی کشت وخون تک نوبت نہ پہنچی کیونکہ قریش کا قافلہ چند دن پہلے ہی ذوالعشیرہ سے کوچ کر چکا تھا البتہ بنو مدلج سے باہمی امداد کا ایک عہد نامہ طے پا گیا۔

رمضان ۲ھ ہجری میں حق و باطل کا معرکہ اول "غزوۂ بدر الکبریٰ" پیش آیا تو حضرت حمزہؓ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی صفوں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تلواریں ہلاتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی، لشکر اسلام سے تین انصار جانباز (عوفؓ، معاذؓ اور معوذؓ پسرانِ عفراء یا بروایت دیگر عوفؓ، معاذؓ اور عبداللہ بن رواحہ ان کے مقابل ہوئے۔ قریشی جنگجوؤں کو جب معلوم ہوا کہ ان کے مقابل ہونے والے تینوں جانباز مدینے کے باشندے ہیں تو انہوں نے ان سے نبرد آزما ہونے سے انکار کر دیا اور عتبہ نے پکار کر کہا، "محمدؐ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں، ہماری قوم اور کفو کے لوگوں کو ہمارے مقابلے پر بھیجو۔"

اس پر حضورؐ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث المطلبی کو حکم دیا کہ "جاؤ ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔" یہ تینوں بہادر حضور کا حکم سنتے ہی نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کا مقابلہ شیبہ سے، حضرت علیؓ کا ولید سے اور حضرت عبیدہؓ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو پہلے ہی وار میں اپنے اپنے حریف کو جہنم رسید کر دیا لیکن عتبہ اور عبیدہؓ دونوں دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت عبیدہؓ کا زخم نہایت شدید تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے یہ صورت حال دیکھی تو دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے عتبہ کو بھی ڈھیر کر دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کا شیبہ سے اور حضرت عبیدہؓ کا ولید سے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ تو عتبہ اور شیبہ پر بہت جلد غالب آ گئے لیکن نوجوان ولید نے بوڑھے عتبہ کو سخت زخمی کر دیا۔ اس پر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ آگے بڑھے اور آناً فاناً ولید کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔

عتبہ، شیبہ اور ولید کو ہلاک ہوتے دیکھ کر قریش کے ایک نامور جنگجو طعیمہ بن عدی کو سخت جوش آیا اور وہ ہنکارتا ہوا میدان جنگ میں اترا، حضرت حمزہؓ فوراً اس کی طرف

بڑھے اور ایک ہی وار میں اس جہنم واصل کر دیا۔ اب مشرکین نے مشتعل ہوکر عام حلہ بول دیا۔ مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد کی ایک تہائی سے بھی کم تھی لیکن انہوں نے اس پامردی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ کفار کا منہ پھر گیا۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے۔ جدھر جھک پڑتے تھے کفار کی صفیں الٹ جاتی تھیں۔ اس دن ان کے ہاتھ سے بہت سے مشرکین ہلاک یا زخمی ہوئے ان میں سے بنو مخزوم کا ایک جنگجو اسود بن عبدالاسد بن ہلال بھی تھا۔ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر تھا۔ وہ میدان جنگ میں آیا تو با آواز بلند قسم کھا کر کہا کہ آج میں مسلمانوں کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا اور اسے خراب کر ڈالوں گا۔ حضرت حمزہؓ اس کی ڈینگ سن کر غصے سے بے تاب ہوگئے اور شیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ ان کے پہلے ہی وار سے اسود کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا لیکن ہمت کر کے پھر اٹھا اور گھسٹتا ہوا مسلمانوں کے حوض تک جا پہنچا۔ حضرت حمزہؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسود حوض میں چھلانگ لگا دی لیکن حضرت حمزہؓ نے اس کو حوض ہی میں قتل کر ڈالا۔

مسلمانوں نے چند ساعت کی لڑائی کے بعد کفار کو شکست فاش دی، ستر مشرکین میدان جنگ میں کام آئے۔ ان میں عتبہ، شیبہ، ولید، ابوجہل، نصر بن الحارث اور کئی دوسرے روسائے قریش بھی شامل تھے۔ تقریباً اتنے ہی مشرکین کو مسلمانوں نے قیدی بنالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہؓ نے اسود بن عامر کو قیدی بنایا اور اسے بعد میں طلحہ بن ابی طلحہ نے دو ہزار دینار بطور فدیہ ادا کر کے رہا کرایا۔

طبرانی نے حضرت حارث تیمی سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہؓ یوم بدر میں شتر مرغ کے پر کا نشان لگائے ہوئے تھے (جنگ کے بعد) مشرکین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے شتر مرغ کے پر کی کلغی لگا رکھی ہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں، اس نے کہا کہ اس شخص نے آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ استفسار اسیران بدر میں سے بعض نے کیا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ حمزہؓ تھے تو انہوں نے کہا کہ حمزہؓ نے آج لڑائی میں ہم پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔

شوال ۲ھ ہجری میں غزوۂ بنو قینقاع پیش آیا۔ یہودیانِ بنی قینقاع بڑے متمول، طاقتور اور جنگجو لوگ تھے، آہن گری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا اور انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کئی قلعے بنا رکھے تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اہل حق اور بنو قینقاع کے درمیان یہ دوستانہ معاہدہ طے پا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کو مدد نہ دیں گے اور اگر باہر سے کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن یہ لوگ جلد ہی اپنے معاہدہ سے منحرف ہوگئے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی ان کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی یاوہ گوئیاں کر کے اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے لگے۔ مسلمانوں کی فتح کی اہمیت وہ یہ کہہ کر گھٹاتے تھے کہ قریش مکہ فن حرب میں مہارت نہیں رکھتے تھے، مسلمانوں کا مقابلہ ہمارے ساتھ ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جوانمرد کیسے لڑتے ہیں۔ شوال ۲ھ ہجری میں ایک اتفاقی واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اک مسلمان خاتون بنو قینقاع کے محلے میں کسی کام سے گئی۔ ایک یہودی نے اس کو چھیڑ کر بے حرمت کیا، یہ دیکھ کر ایک مسلمان غصے سے بے قابو ہوگیا اور اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ ہودیوں نے اس غیرت مند مسلمان کو شہید کر ڈالا اور علانیہ سرکشی اور عہد شکنی پر آمادہ ہوگئے۔ مسلمانوں نے ان کو بہت سمجھایا لیکن ان کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں پر اتنا ناز تھا کہ کسی طرح اپنے مفسدانہ ارادوں سے باز نہ آئے۔ بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف لڑائی کا اعلان کر دیا اور ان کے محلے کا محاصرہ کرلیا۔ بنی قینقاع مدینہ کی سکونت ترک کر کے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ سے نکل کر ملک شام کے ایک ضلع ازرعات میں چلے گئے۔ ابن سعدؒ اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ غزوۂ بنو قینقاع میں بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کو اسلامی فوج کا علم مرحمت فرمایا۔ چنانچہ وہ شروع سے اخیر تک نہایت شجاعت اور استقلال کے ساتھ علمبرداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے۔ جدھر جھک پڑتے تھے کفار کی صفیں الٹ جاتی تھیں۔ اس دن ان کے ہاتھ سے بہت سے مشرکین ہلاک یا زخمی ہوئے ان میں سے بنو مخزوم کا ایک جنگجو اسود بن عبدالاسد بن ہلال بھی تھا۔ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر تھا۔ وہ میدان جنگ میں آیا تو با آواز بلند قسم کھا کر کہا کہ آج میں مسلمانوں کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا اور اسے خراب کر ڈالوں گا۔ حضرت حمزہؓ اس کی ڈینگ سن کر غصے سے بے تاب ہوگئے اور شیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ ان کے پہلے ہی وار سے اسود کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا لیکن ہمت کر کے پھر اٹھا اور گھسٹتا ہوا مسلمانوں کے حوض تک جا پہنچا۔ حضرت حمزہؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسود حوض میں چھلانگ لگا دی لیکن حضرت حمزہؓ نے اس کو حوض ہی میں قتل کر ڈالا۔

۳ھ ہجری میں مشرکین مکہ نے بدر کا انتقام لینے کے لیے بڑے جوش وخروش سے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی۔ علمبرداران حق اور کفار، شوال کو کوہ احد کے دامن میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل سات سو جانباز تھے جن میں سو زرہ پوش اور چند سوار تھے۔ ادھر مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ مسلمانوں نے احد کا پہاڑ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صفیں درست کیں۔ حضورؐ نے پچاس تیر اندازوں کا دستہ اس درہ پر بٹھا دیا جدھر سے اندیشہ تھا کہ دشمن اس سے گزر کر عقب سے حملہ نہ کردے۔ اس موقع پر حضرت حمزہؓ فوج کے ایک دستے کے افسر مقرر ہوئے جس کا کوئی مجاہد زرہ پوش نہیں تھا۔ طبل جنگ بجا تو قریش کی عورتیں دف پر یہ رجز یہ اشعار پڑھ کر اپنے مردوں کو لڑائی پر

ابھارنے گئیں۔

نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق مشی القطا البوارق
المسک فی المفارق والدر فی المخانق ان تقبلوا الغانق ونفرش
النمارق وتدبروا نفارق فراق غیر وامق

ہم نجم سحر کی بیٹیاں ہیں۔ ہم زین پوش کے منقش اور خوب صورت کپڑوں پر چلتی ہیں۔ ہنس کی چال سے جس کو دکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں ہمارے سر مشک آلود ہیں۔

اور گردن کے ہاروں میں موتی پروئے ہوئے ہیں

اگر تم میدان جنگ میں آگے بڑھے تو ہم تم سے ہم آغوش ہوں گی اور زین پوش کے منقش اور خوب صورت کپڑے تمہارے واسطے بچھائیں گی اور اگر تم نے پشت پھیری تو ہمارا تمہارا فرق ہے۔

ایسا فراق کہ جیسے ہم تم کبھی دوست ہی نہ تھے۔

سب سے پہلے قریش کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر للکارا۔ ''تم میں کوئی ہے جو میرے سامنے آئے۔'' حضرت علی المرتضیٰ اس کے مقابلے کے لیے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کو واصل جہنم کر دیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھا، حضرت حمزہؓ اس پر جھپٹے اور شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، اس کے ساتھ ہی انہوں نے نعرہ مارا۔ ''یہ لے، میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔''

علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبی'' میں عثمان کو طلحہ کا بیٹا بیان کیا ہے لیکن بعض دوسرے اہل سیر (ابن اثیرؒ، حاکمؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ وغیرہ) نے عثمانؓ بن طلحہ کو صحابہ کرامؓ میں شمار کیا ہے۔ وہ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضورؐ نے انہیں کعبہ کا کلید برداری کے خاندانی منصب پر بحال رکھا۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے جو عثمان مارا گیا وہ ابی طلحہ کا بیٹا اور طلحہ کا بھائی تھا۔

قریش کا علم اٹھا کر نکلنے والے جب کچھ اور آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے یکے بعد دیگرے مارے گئے تو مشرکین نے عام ہلہ بول دیا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت اسیدؓ بن حضیر اور بہت سے دوسرے سرفروش فوجوں کے دل میں گھس گئے اور دشمن کی صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دوستی (دونوں ہاتھوں سے) تلوار چلاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے، میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اسی حالت میں مکہ کا ایک سربرآوردہ مشرک سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آ گیا۔ حضرت حمزہ نے اس سے مخاطب ہو کر غضب آلود لہجے میں فرمایا: ''او ختانہ النساء'' (عورتوں کا...... کرنے والی) ام انمار کے بچے کیا تو خدا اور خدا کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟'' یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ کٹ کر وہیں گر پڑا۔ ادھر حضرت حمزہؓ اسی طرح لاشوں پر لاشیں گراتے جا رہے تھے ادھر جبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے یہ انتظار کر رہا تھا کہ کب حضرت حمزہؓ اس کی زد میں آئیں اور وہ اپنا ہتھیار ان پر پھینکے۔ وحشی کو جبیر بن مطعم نے اپنے چچا طعیمہ بن عدی (مقتول بدر) کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کام کے عوض اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اتفاق سے وحشی کو جلد ہی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ حضرت حمزہؓ درانہ آگے بڑھ رہے تھے کہ یکا یک ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اسی وقت وحشی نے تاک کر اپنا چھوٹا سا بھالا ان پر پھینکا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس قدر شدید زخمی ہونے کے باوجود اٹھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور ان کی روح مطہر عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت پر مشرکین کو کمال درجے کی مسرت ہوئی اور ان کی عورتوں نے خوشی کے ترانے گائے۔ ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نے اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی کہ حضرت حمزہؓ کی نعش مبارک سے کان ناک ہونٹ (اور بروایت دیگر پوشیدہ اعضاء بھی) کاٹ لیے۔ اس کے بعد شکم چاک کر کے جگر نکالا اور اسے چبا چبا کر نگلنے کی کوشش کی مگر نگل نہ سکی اور تھوک دیا۔ پھر ایک بلندی پر چڑھ کر بلند آواز سے چند فخریہ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ آج ہم نے بدر کی لڑائی کا بدلہ لے لیا اور وحشی نے میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا جب تک میں زندہ رہوں گی اس کا شکریہ ادا کرتی رہوں گی۔

سب سے پہلے قریش کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر للکارا۔ ''تم میں کوئی ہے جو میرے سامنے آئے۔'' حضرت علی المرتضیٰ اس کے مقابلے کے لیے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کو واصل جہنم کر دیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھا، حضرت حمزہؓ اس پر جھپٹے اور شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، اس کے ساتھ ہی انہوں نے نعرہ مارا۔ ''یہ لے، میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔''

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کو ہندہ کی مذموم حرکت کا علم ہوا تو آپؐ نے پوچھا کیا اس نے حمزہؓ کے جگر میں سے کچھ کھایا بھی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، نہیں، آپؐ نے فرمایا:

''الٰہی حمزہؓ کے کسی حصہ جسم کو جہنم میں داخل نہ ہونے دیجیو۔''

جنگ ختم ہوئی تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب چچا کی مثلہ کی ہوئی لاش پر تشریف لائے۔ اس وقت آپؐ سخت غمزدہ تھے۔ لاش کی حالت دیکھ کر آپؐ فرط الم سے بے قرار ہو گئے اور مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''تم پر خدا کی رحمت ہو کیوں کہ تم اعزہ و اقربا کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اگر مجھے صفیہؓ (حضورؐ کی پھوپی اور حمزہؓ کی بہن) کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہاری لاش اسی طرح چھوڑ دیتا تاکہ اسے درندے اور پرندے کھا جائیں اور تم قیامت کے دن انہی کے پیٹ سے اٹھائے جاؤ۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ اسی موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے بشارت دی ہے کہ حمزہؓ بن عبدالمطلب ساتوں آسمانوں پر اسد اللہ و اسد الرسول لکھے گئے ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کو اسداللہ واسید الشہداء کے القاب مرحمت فرمائے۔

ابن سعد نے ''طبقات الکبیر'' میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کی نعش کی دردناک حالت دیکھ کر فرمایا تھا: ''خدا کی قسم میں تمہارے بدلہ میں کفار کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔'' لیکن اسی وقت بارگاہِ خداوندی سے حکم نازل ہوا:

''اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی اور اگر صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر سب سے اچھا ہے اور تم صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔'' (سورہ نحل)

یہ حکم نازل ہونے پر حضور نے فرمایا کہ میں صبر کرتا ہوں اور انتقام نہ لوں گا۔ چنانچہ آپؐ نے صبر اختیار کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

اسی اثناء میں حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب لڑائی کا حال معلوم کرنے مدینہ سے نکلیں۔ حضورؐ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر فرمایا کہ صفیہؓ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے ان کو لاش پر آنے سے منع کیا تو بولیں: ''میں نے اپنے بھائی کا ماجرا سن لیا لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔'' حضورؐ نے اجازت دی تو لاش پر گئیں، عزیز بھائی کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر آنکھوں سے سیل اشک بہہ نکلا لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا زبان سے کچھ نہ نکلا۔ واپس جاتے وقت حضرت زبیرؓ دو چادریں دے گئیں کہ ان میں ماموں کو مکفون کر کے دفن کرنا لیکن قریب ہی ایک انصاری کی لاش پڑی تھی۔ حضرت زبیرؓ نے دونوں شہیدوں میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے حضرت حمزہؓ کا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا، آخر حضورؐ نے فرمایا کہ چہرہ اور سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اس طرح عم رسول کا جنازہ تیار ہوا تو صحابہ کرامؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو۔ عرض کیا، ''یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، آج ہم کو یہ توفیق بھی نہیں کہ آپؐ کے چچا کا سارا بدن کپڑے سے ڈھانک سکیں۔'' حضورؐ نے فرمایا، وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ (مسلمان) ایسے مقامات پر متصرف ہوں گے جہاں کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیزوں اور سواریوں کی بہتات ہوگی اور وہاں سے وہ اپنے اہل وعیال کو مدینہ سے اپنے پاس آنے کو لکھیں گے۔

اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھی پھر ایک ایک کر کے شہداء احد کے جنازے حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھے گئے اور حضورؐ نے ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھائی۔ اس طرح اس دن حضرت حمزہؓ پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اس فضیلت میں کوئی اور حضرت حمزہؓ کا شریک و سہیم نہیں

اس ایک چادر سے حضرت حمزہؓ کا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا، آخر حضورؐ نے فرمایا کہ چہرہ اور سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اس طرح عم رسول کا جنازہ تیار ہوا تو صحابہ کرامؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو۔ عرض کیا، ''یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، آج ہم کو یہ توفیق بھی نہیں کہ آپؐ کے چچا کا سارا بدن کپڑے سے ڈھانک سکیں۔'' حضورؐ نے فرمایا، وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ (مسلمان) ایسے مقامات پر متصرف ہوں گے جہاں کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیزوں اور سواریوں کی بہتات ہوگی اور وہاں سے وہ اپنے اہل وعیال کو مدینہ سے اپنے پاس آنے کو لکھیں گے۔

ہے۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت حمزہؓ کو ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش (المجدع فی اللہ) کے ساتھ ایک ہی قبر میں احد کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ سینتیس ۳۷ سال بعد ۴۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے احد کی طرف سے نہر نکالی گئی تو کھدائی کے دوران میں کئی شہداء کی لاشیں بالکل تر و تازہ حالت میں ملیں۔ اسی سلسلے میں اتفاق سے حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں بلیچہ لگ گیا تو ان کے پاؤں سے خون کی چھینٹیں اس طرح اڑیں جیسے زندہ آدمی کو زخم لگنے سے خون نکلتا ہے۔

ابن سعدؒ اور ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب چچا کی جدائی سے شدید صدمہ پہنچا تھا۔ جب آپؐ میدان احد سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو عبدالاشہل اور بنو ظفر کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی آواز جو اپنے اپنے شہیدوں پر گریہ کناں تھیں، حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جو چہرۂ اقدس پر گرے۔ آپؐ نے فرمایا: ''افسوس آج حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں۔'' جب حضرت سعدؓ بن معاذؓ اور اسیدؓ بن حضیرؓ نے یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی عورتوں کو ہدایت کی کہ ہر انصاری عورت اپنے متوفی پر رونے سے پہلے رسول اللہ کے ہاں جا کر حضرت حمزہؓ پر روئے۔ چنانچہ سب انصاری خواتین نے آستانہ نبوی پر پہنچ کر بڑے درد کے ساتھ حضرت حمزہؓ پر رونا شروع کر دیا۔ اسی حالت میں حضورؐ کی آنکھ میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ اب واپس جاؤ اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر رونے کی بجائے صبر سے کام لیا کرو۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ سے واپس آئے تو گھر کے دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم ہو رہا تھا۔ آپؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت حمزہؓ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ چند سال بعد حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بن حرب اسلام قبول کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا: ''تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو تو چھپا لو (کیونکہ تمہیں دیکھ کر حمزہؓ کا غم ہو جاتا ہے) چنانچہ پھر ساری عمر حضور پر نور کی خدمت میں نہ جا سکے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت وحشیؓ سے روایت ہے کہ''

جب احد سے لوگ واپس آئے تو میں چلا آیا اور مکہ میں اسلام کا چرچا ہونے تک مقیم رہا، پھر وہاں سے طائف چلا گیا۔ اہل طائف نے حضورؐ کے پاس کچھ قاصد بھیجے اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچا اور آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا، کیا حمزہؓ کو تو نے شہید کیا تھا اور تیرا ہی نام وحشی ہے۔ میں نے (مجوب ہوکر) عرض کیا۔ جی ہاں یارسول اللہ جو کچھ آپ کو معلوم ہے صحیح ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر تو میرے سامنے سے ہٹ کر سکتا ہے تو ہٹ جا۔ میں اسی وقت وہاں سے نکل گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مسیلمہ کے مقابلے میں چلنا چاہیے اور اس کو قتل کرنا چاہیے شاید حضرت حمزہؓ کا بدلہ پورا ہوجائے۔ لہٰذا میں لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا (اس کے بعد جو کچھ ہوا سو ہوا، جب میں یمامہ پہنچا تو) وہاں میں نے گندمی رنگ کے ایک ژولیدہ مو آدمی کو دیکھا جو ایک شکستہ دیوار کے پاس کھڑا تھا۔ (یہ مسیلمہ کذاب تھا) میں نے اپنا نیزہ اس کے سینے پر مارا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان پار کردیا، اتنے میں ایک انصاری لپکا اور اس نے تلوار سے اس کا سر جدا کردیا۔''

اس طرح حضرت وحشیؓ بن حرب کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچا تھا، اسی قدر اس سے فائدہ بھی پہنچا۔

حضرت حمزہؓ نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت لمتہ بن مالک، ان سے لیلیٰ اور عامر دو لڑکے پیدا ہوئے۔ خولہ بنت قیس، ان سے عمارہ پیدا ہوئے۔ سلمیٰ بنت عمیس۔ ان سے ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئیں۔ عمارہ اور عامر دونوں لاولد فوت ہوگئے۔ لیعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔ امامہؓ حضورؐ کے ربیب حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ مخزومیؓ سے بیاہی گئیں لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلہ نسل نہ بیٹوں سے اور نہ بیٹی سے چلا۔ بعض بلوچ قبائل اپنے آپ کو حضرت حمزہؓ کی اولاد بتاتے ہیں لیکن ان کا دعویٰ قوی ثبوت کا محتاج ہے۔

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے حضورؐ کو حضرت امامہؓ بنت حمزہؓ سے شادی کرنے کی ترغیب دی تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے میرا نکاح اس سے کیسے ہوسکتا ہے؟''

ذیقعدہ ۷ ہجری میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ صلح نامہ حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد آپ مکہ سے چلنے لگے تو حضرت حمزہؓ کی کمسن یتیم بچی امامہؓ یا عم یا عم کہتی ہوئی حضورؐ کی طرف دوڑیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا اور اپنے ساتھ لے جاکر حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے سپرد کردیا کہ یہ تمہاری بنت عم ہے۔ میں اس کو اٹھالایا ہوں۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے حضرت امامہؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لینے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں الگ الگ دعوے پیش کیے۔ حضرت علیؓ کہتے تھے کہ امامہؓ میرے چچا کی لڑکی ہے اس لیے میں حقدار ہوں۔ حضرت جعفرؓ یہ کہہ کر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے کہ وہ میری بنت عم ہے اور میری زوجہ (اسماء بنت عمیس) کی بھانجی ہے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کہتے تھے کہ وہ میرے (دینی) بھائی کی لڑکی ہے۔ اللہ اللہ یہ ناز اور محبت کی لڑائی ایک کمسن بچی کو پالنے کے حق پر ہو رہی تھی حالانکہ اسلام سے پہلے یہی معصوم بچیاں زندہ زمین میں گاڑ دی جاتی تھیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منازعت کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کیونکہ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس حضرت امامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔

سیدنا حضرت حمزہؓ کے صحیفہ اخلاق میں غیرت مندی، شجاعت، جانبازی، بے خوفی، صلہ رحمی، حب رسول اور شوق جہاد سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ خود لسان رسالت نے ان کے محاسن اخلاق کی تحسین ان الفاظ میں فرمائی کہ ''وہ قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں آگے آگے رہتے تھے۔''

مبداء فیض نے انہیں سپاہیانہ اوصاف وخصائل سے نوازا تھا، سیر وشکار سے اس قدر لگاؤ تھا کہ حضورؐ کی بعثت کے پانچ سال بعد تک انہوں نے دعوتِ حق کی طرف توجہ ہی نہ کی لیکن جب ابوجہل کی کمینہ حرکت کی وجہ سے ان کی غیرت جوش میں آئی تو دفعتہً اسلام کے قوی دست وبازو بن گئے۔ قریش کے نامور پہلوان حضرت عمرؓ نے جب دارِ ارقم کے دروازے پر دستک دی تو قدرتاً صحابہ کے دل میں تردد پیدا ہوا لیکن یہ حضرت حمزہؓ ہی تھے جنہوں نے کڑک کر کہا کہ عمرؓ کو اندر آنے دو اگر اس کی نیت نیک نہ ہوئی، تو اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔ ہجرت کے بعد اپنی شہادت تک انہوں نے بیشتر معرکوں میں جس شجاعت اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ جوانی میں ہمیشہ زرہ پہن کر لڑا کرتے تھے لیکن بعد شباب سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تو زرہ پہننا بالکل ترک کردیا اور لڑائیوں میں اس طرح شریک ہونے لگے کہ سینہ سامنے سے کھلا ہوتا اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلارہے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے عم رسول، اے صف شکن مجاہد، اے جوانمردوں کے سردار کیا آپ نے اللہ کا حکم نہیں سنا کہ جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ پڑو۔ پھر آپ احتیاط سے کیوں کام نہیں لیتے۔ جب آپ جوان تھے اور مضبوط وطاقتور، اس زمانے میں آپ کبھی زرہ کے بغیر لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے، اب جبکہ آپ

حضرت حمزہؓ نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت لمتہ بن مالک، ان سے لیلیٰ اور عامر دو لڑکے پیدا ہوئے۔ خولہ بنت قیس، ان سے عمارہ پیدا ہوئے۔ سلمیٰ بنت عمیس۔ ان سے ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئیں۔ عمارہ اور عامر دونوں لاولد فوت ہوگئے۔ لیعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔ امامہؓ حضورؐ کے ربیب حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ مخزومیؓ سے بیاہی گئیں لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلہ نسل نہ بیٹوں سے اور نہ بیٹی سے چلا۔

بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ اپنی جان کی حفاظت اور احتیاط کے تقاضوں سے کیوں بے پرواہو گئے ہیں۔ بھلا تلوار کس کا لحاظ کرتی ہے اور تیر کس کی رعایت کرتا ہے ہم کوتو یہ پسند نہیں کہ آپ جیسا شیر بیشہء شجاعت اپنی بے احتیاطی کی بدولت دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

حضرت حمزہؓ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو سمجھتا تھا کہ موت انسان کو اس دنیا کے عیش و آرام سے محروم کر دیتی ہے اس لیے کیوں خواہ مخواہ موت کی جانب رغبت کروں اور اژدھے کے منہ میں جاؤں یہی وجہ تھی کہ میں اپنی جان کی حفاظت کے لیے زرہ پہنتا تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے میرے خیالات بدل گئے۔ اب مجھ کو اس دنیائے فانی سے مطلق کوئی لگاؤ نہیں رہا اور موت مجھ کو جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ زرہ تو وہ پہنے جس کے لیے موت کوئی دہشت ناک چیز ہو۔ جس کو تم موت کہتے ہو وہ میرے لیے ابدی زندگی ہے۔

حضرت حمزہؓ ایک مرد سپاہی تھے اس لیے مزاج قدرتاً تند و تیز تھا۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس کی عادی تھے۔ ایک مرتبہ انصار کی ایک محفل ناؤ نوش میں شریک تھے جس میں ایک خوش الحان مغنیہ گا رہی تھی، قریب ہی ایک حجرہ کے صحن میں ''فربہ اونٹنیاں بندھی ہوئی تھیں، اس مغنیہ نے اونٹنیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

الا یا حمزة للشرف النواء
وهن معقلات بالغناء
ضع السكين فی اللبات منها
وخرجهن حمزة بالدماء
وعجل من اطائبها لشرب
قديراً من طبيخ او شواء

(یعنی آگاہ ہو جاؤ اے حمزہ فربہ اونٹنیوں کے لیے اور وہ اونٹنیاں صحن میں (بندھی ہوئی ہیں ان اونٹنیوں کی کلیجیوں کو ان کے خون کے ساتھ نکال لو اور جلدی کر وان کے جوہر کو پینے کے لیے خواہ ہانڈی کے اندر پکا کر یا بھون کر)

یہ سن کر حضرت حمزہؓ نشے کی حالت میں بے اختیار کو دے اور اونٹنیوں کو کوہانیں کاٹ ڈالیں اور پہلو چیر کر کلیجیاں نکال لائے۔ یہ اونٹنیاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی تھیں۔ انہیں اپنی اونٹنیوں کے اس طرح مارے جانے پر سخت صدمہ ہوا۔ آبدیدہ ہو کر بارگاہ رسالت میں شکایت کی۔ حضورؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لے گئے اور حضرت حمزہؓ کو اس حرکت بے جا پر ملامت فرمانے لگے۔ وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھے۔ گھور کر حضورؐ کو دیکھا اور کہا۔ ''تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو۔''

حضورؐ کو معلوم ہو گیا کہ اس وقت وہ اپنے آپے میں نہیں ہیں چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے۔ یہ ایک افسوس ناک واقعہ تھا جس پر حضرت حمزہؓ کو یقیناً تاسف ہوا ہوگا اور انہوں نے اس کی تلافی بھی کی ہوگی کیونکہ وہ فطرتاً نہایت نیک طبع تھے۔

طبقات ابن سعد میں روایات ہے کہ ایک دفعہ حضرت حمزہؓ نے حضورؐ نے فرمایا: ''چچا آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ جبرئیل کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔'' لیکن حضرت حمزہؓ نے انہیں دیکھنے پر اصرار کیا۔ ایک دن جبرئیل نازل ہوئے تو حضورؐ نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا اپنی نگاہ اوپر اٹھایئے اور دیکھیے حضرت جبرئیل نازل ہوئے تو حضرت جبرئیل اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی تو حضرت جبرئیل کے پاؤں دیکھ کر ہی غش آ گیا۔

امام حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جعفرؓ ملائکہ کے ساتھ اڑ رہے ہیں اور حمزہؓ ایک تخت کے اوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔

ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں حضرت حمزہؓ سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو۔

''اللهم انی اسئلک باسمک الاعظم ورضوانک الاکبر''

سیدنا حضرت حمزہؓ کی بے مثل شجاعت اور جانبازی کو پیش نظر رکھ کر بعض لوگوں نے عجیب و غریب من گھڑت قصے ان سے منسوب کر دیئے ہیں اور انہیں داستان امیر حمزہ کا نام دے کر بڑے مزے لے لے کر بیان کیا ہے، فی الحقیقت ایسی تمام داستانیں لغویات کا پلندہ اور خرافات محض ہیں۔ ایک جلیل القدر صحابی سے غلط باتیں منسوب کرنا یا انہیں پڑھنا اور سننا نہ صرف وقت ضائع کرنے بلکہ خواہ مخواہ گناہ کمانے کا باعث ہے۔ حضرت حمزہؓ کی عظمت اور جلالت قدر ایسی وضعی داستانوں کی ہرگز محتاج نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ سیدنا حمزہ کی زندگی کے حقیقی واقعات ہی اتنے ولولہ انگیز ہیں کہ فرزندان اسلام کے خون کو تا ابد گرماتے رہیں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک دفعہ حضرت حمزہؓ نے حضورؐ نے فرمایا: ''چچا آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ جبرئیل کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔'' لیکن حضرت حمزہؓ نے انہیں دیکھنے پر اصرار کیا۔ ایک دن جبرئیل نازل ہوئے تو حضورؐ نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا اپنی نگاہ اوپر اٹھایئے اور دیکھیے حضرت جبرئیل نازل ہوئے تو حضرت جبرئیل اپنی اصلی صورت میں نازل ہوئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی تو حضرت جبرئیل کے پاؤں دیکھ کر ہی غش آ گیا۔ امام حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ میں گزشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جعفرؓ ملائکہ کے ساتھ اڑ رہے ہیں اور حمزہؓ ایک تخت کے اوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔

وہ حسد کی آگ میں جل بھن رہا تھا

انسانیت کا ازلی دشمن جسے ہم نے آج اپنا دوست بنا کر اپنی بربادی کے راستے کھول دیئے

پروفیسر خالد پرویز

حضرت آدمؑ بصد فخر و انبساط جنت میں رہنے لگے۔ ان کی اہلیہ محترمہ حوا بھی ان کے ہمرکاب تھیں۔ دونوں میاں بیوی جنت میں جس چیز کی خواہش کرتے انہیں میسر تی۔ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر ان کے دشمن ابلیس کو اک پل چین نصیب نہیں تھا۔ وہ حضرت آدمؑ کے آرام و آسائش کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ وہ حسد کی آگ میں جل بھن رہا تھا اور صبح شام اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کس طرح حضرت آدمؑ اور ان کی زوجہ کو جنت سے نکلوائے، کیونکہ یہ وہی آدم خاکی تھا جس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوا تھا اور لعین ٹھہرا تھا، اس لیے وہ آدمؑ سے ہر صورت میں انتقام لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے آدم حوا کے دلوں میں وسوسہ ڈالا اور کہا:

"تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس لیے کہ تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور (یہ کہہ کر) اس نے قسم اٹھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔" (الاعراف)

بعض مفسرین نے شیطان کے آدمؑ کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ جنت کے دروازے پر آئے اور شیطان نے چپکے سے ان سے یہ بات کہہ دی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ شیطان سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں گیا اور حضرت آدمؑ اور حوا کو وسوسے میں ڈالا۔ حضرت حسن بصریؒ کا فرمان ہے کہ شیطان کو یہ قوت دی گئی تھی کہ وہ زمین پر رہتے ہوئے آدم حوا کے دلوں میں وسوسہ ڈال سکے۔

آخر کار حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی شیطان مردود کی باتوں میں آگئے، اس کی قسم پر یقین کر لیا اور اسے اپنا خیر خواہ سمجھ کر اس کی بات مان لی۔ یوں ان سے لغزش ہوگئی۔ حضرت آدمؑ و حوا نے جب حکم خداوندی کو نظر انداز کیا اور شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو رب کائنات نے ان سے اپنی نعمت سلب کر لی اور انہیں جنت کی ابدی نعمتوں سے محروم کر دیا۔ ارشاد رب العزت ہوا۔

"کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا، اور کیا تم سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔" (الاعراف)

صاحب ضیاء القرآن کے مطابق آدمؑ کو جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت تو دے دی گئی مگر یہ گل و ریحان کی وادی ایک ایسے راہرو کی منزل نہیں ہو سکتی تھی جس کی فطرت میں کانٹوں کے پھول، ریگستانوں اور ظلمت کدوں کو بقعۂ نور بنانا لکھا جا چکا تھا اب اس کو میدانِ عمل میں لا کھڑا کرنے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ فرشتوں کا ایک جلوس ہمرکاب ہوتا اور آدمؑ کی سواری جنت سے روانہ ہو کر زمین پر اترتی، لیکن رب ذوالجلال کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں تھا کیونکہ اس طرح آدمؑ عزت و جاہ کے مظہر بن کر تو ظاہر ہوتے لیکن سوزِ عشق، درد فراق، آتش شوق، نیاز مندی اور نالہ و زاری کے بلند، لطیف اور پاکیزہ جذبات سے ان کے دل کی دنیا نا آشنا رہتی اور قرب و رضا کا وہ مقام جو محض عجز و انکسار، گریہ و زاری، دل کی بے چینی اور روح کی بے قراری کے عوض بخشا جاتا ہے وہ نہ مل پاتا۔ چنانچہ نگاہِ کرم کے برگشتہ ہونے سے غم و اندوہ کے بادل گھر آئے۔ آہ و فغاں کی بجلیاں کڑکنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جس نے شجر محبت کی آبیاری کی، تڑپتے ہوئے دل کے سوز و گداز نے زندگی کی حرارت بخشی۔ یہاں تک کہ آدمؑ کی وہ تمام صلاحیتیں بیدار ہوگئیں جن کا خلافت الٰہی سنبھالنے سے پہلے بیدار ہونا ضروری تھا، چنانچہ آدمؑ و حوا نے گڑگڑا کر رب کے حضور عرض کیا......

"اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری بخشش نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔" (الاعراف)

رب قادر و قدیر نے فرمایا:

"نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک خاص وقت تک نفع اٹھانا ہے۔ اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے۔" (الاعراف)

حضرت آدمؑ و حوا گریہ و زاری میں معروف رہے اور رب تعالیٰ سے عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہے۔ رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور ان کی مغفرت کر دی گئی۔ "پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ الفاظ سکھ لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا" (البقرہ)

گناہگاری کا جو داغ حضرت آدمؑ کے دامن پر لگ گیا تھا وہ دھو ڈالا گیا۔ رب رحیم و کریم نے حضرت آدمؑ کی توبہ ہی قبول کرنے پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس کے بعد نبوت سے بھی سرفراز فرمایا تا کہ وہ اپنی نسل کو سیدھا راستہ بتائیں۔ ارشاد ہوا:

"پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (البقرہ)

رب رحمٰن و رحیم نے زمین کی زندگی میں حضرت آدمؑ اور ان کی نسل کے لیے کئی ضرورتیں رکھ دیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ اب تمہیں دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہدایت کا راستہ یا گمراہی کا راستہ۔ ایمان اور فلاح کی راہ یا کفر اور خسارے کی راہ۔ جو اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلے گا، شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہے گا اور جو ان اصولوں سے روگردانی کرے گا وہ بدبختوں میں شمار ہوگا اور شیطان کے ہمراہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی حیات ناپائیدار کا مقصد و محور محض دنیاوی زندگی کی عارضی آسائشوں کا حصول ہوتا ہے۔ یہ لوگ عقل و شعور کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے حقائق سے منہ موڑ کر یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں کامیابی اسی میں ہے، حالانکہ وہ لوگ سراسر خسارے میں ہوتے ہیں۔

الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے گھروں میں لعنت داخل کی جارہی ہے

دعوت اسلام کے قارئین کے لیے سعدیہ اشرف کی تحریر

حال ہی میں پاکستان ٹیلی وژن کے چوتھے چینل کے افتتاح پر اسپورٹس چینل کی طرف خصوصی توجہ دینے کا اعلان کیا گیا۔ عام تاثر یہی دیا جارہا ہے کہ حکومت کیبل کے نیٹ ورک کے خلاف آخری حربہ آزما رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ آخری حربہ ناکام ہوگیا تو قوم ثقافتی، اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے بدترین حالت کا شکار ہوجائے گی۔ اندرا گاندھی کا برسوں پرانا خواب پورا ہوتا نظر آئے گا جس میں اس نے پاکستان کو میڈیا کے ذریعے جیتنے کی تعبیر چاہی تھی۔ آج بھی بھارتی ثقافت کی یلغار ہماری نوجوان نسل کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ روزمرہ مسائل سے گھبرائے ذریعہ معاش کی پریشانی میں الجھے بیکار نوجوان ساری ساری رات بھارتی چینلز کے فحش اور لچر پروگرامز میں بدمست رہتے ہیں۔ ہر ایک نوجوان اپنے آپ کو شاہ رخ اور دوسرے اداکاروں کی جگہ دیکھنے کا خواہاں ہے، جبکہ لڑکیاں خود کو بھارتی اداکاراؤں سے کم تصور نہیں کرتیں۔ ذومعنی اور غلیظ ڈائیلاگز عام گفتگو میں دہرائے جاتے ہیں۔ پی ٹی وی نشریات صرف ان علاقہ جات میں شوق سے دیکھی جاتی ہیں جہاں کیبل کے جراثیم نہیں پہنچے۔ اربابِ اختیار سے درخواست ہے کہ ہر علاقے میں چاروں چینلز چلائے جائیں کم از کم وہ علاقے جو پی ٹی وی دیکھنے پر مجبور ہیں، اپنے تشخص اور اقدار سے آگاہ رہیں۔ علاقہ بڑا یا چھوٹا ہونے کا مسئلہ نہیں ہے۔ بڑے سہروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے علاقوں کے لوگ بھی تفریح کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ جہاں کیبل نے اثر دکھایا وہاں کوئی اور چینل نہیں ٹھہر سکا اور جہاں یہ ناسور نہیں پہنچ سکا وہاں دکانداروں نے خفیہ جگہوں پر غلیظ قسم کی تفریح فراہم کرنے کا ٹھیکا قبول کرلیا۔

حالت تو یہ ہے کہ نجی بورڈنگ ہاؤسز میں پی ٹی وی دور دور تک ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ پہلے تو تشنگانِ علم کو اچھے ماحول کی فراہمی کا یقین دلا کر اپنی طرف مائل کیا جاتا تھا اب کیبل کی سہولت کو سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ ادارہ چاہے نجی ہو، نیم نجی، سرکاری یا غیر سرکاری...... بہاولنگر ہو یا اس سے باہر ''کیبل'' کسی طور پر نہیں ہونی چاہیے۔ کسی نہ کسی مجبوری کے تحت اگر طلبہ و طالبات ہوسٹل میں قیام پر مجبور ہوں تو ادارے کے سربراہان کو اخلاقیات اور قومی تشخص سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس سنگین معاملے کے سدباب کا اہتمام



کرنا اربابِ اختیار کا فرض ہے۔ پی ٹی وی جس قدر بھی اغیار کے رنگ میں رنگ جائے۔ کہیں نہ کہیں سے اپنی تہذیب کی جھلک ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس سہ ماہی کے ڈرامے تفریح کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بے شک نظارہ ہی اچھائی اور برائی کا راستہ چنتا ہے۔ نظاروں کا گناہ کم ہوجائے تو معاشرہ غلاظت سے پاک ہوسکتا ہے اور اپنی روایات کا علمبردار بن سکتا ہے۔

حکومت کا فرض ہے کہ پی ٹی وی کے تمام چینلز کا معیار اس قدر اچھا بنائے کہ عوام کے لیے تفریح بھی فراہم ہوسکے اور نوجوان طبقہ غیر اخلاقی نظاروں سے چھٹکارہ حاصل کرسکے۔ یہ ناسور قوم کے معماروں میں روحوں کا کینسر بن رہا ہے۔

تشخیص ہوچکی اگر فوری علاج نہ ہوا تو کینسر لاعلاج مرض ہے مگر اس سے پہلے کہ یہ مرض آخری حدوں کو چھونے لگے پاکستان میں ایوانِ اقتدار کے مکینوں کو سمجھنا چاہیے کہ وہ جو کچھ ہیں اس ملک کی وجہ سے ہیں جسے اس کے بانی نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا، تاکہ اس ملک میں بسنے والے اسلامی اصولوں پر مبنی صاف ستھرے معاشرے میں زندگی بسر کرسکیں اور اس وطن کی نئی پود کی تربیت کے لیے ایسا پاکیزہ ماحول میسر ہو کہ وہ مستقبل میں قوم و وطن کے ایسے نوجوان بن سکیں جس کی تمنا تصورِ پاکستان کے خالق حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کی تھی۔

حضرت بلالؓ بن رباح حبشی

دعوتِ اسلام کے قارئین کے لیے خصوصی سلسلہ

ہجرت نبوی کے کچھ عرصے بعد کا ذکر ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ناکتخدا جاں نثار نے اپنا گھر بسانا چاہا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ شادی کی مطلق استطاعت نہ تھی، زمین ہکان، مال کوئی شے بھی تو ان کے پاس نہ تھی اور پھروہ حسن ظاہری سے بھی محروم تھے، سیاہ رنگت ،موٹے موٹے ہونٹ اور لاغر جسم...... سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک غریب الدیار شخص تھے۔ ان کا حبشی نژاد باپ مکہ کے خاندان بنوجمح کا غلام تھا اور غلام باپ کی طرح بیٹے نے بھی ہجرت سے پہلے سالہا سال مشرکین قریش کی غلامی میں گزارے تھے۔ مہاجرین اور انصار میں کسی سے ان کا دور پار کا رشتہ بھی نہ تھا۔ اگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ شمع رسالت کی پروانوں میں شامل تھے اور سفر ہو یا حضر ہمیشہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان کو توقع نہیں تھی کہ ان جیسے مفلس اور غریب الوطن حبشی زاد کو شرفائے عرب میں سے کوئی اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہوگا لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جونہی انہوں نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تمام مہاجرین اور انصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان کے سامنے دیدہ ودل فرش راہ کر دیئے۔ ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا کہ آپ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لیے کون سی عزت ہوسکتی ہے...... یہاں تک کہ ان صاحب رسولؐ کو رشتہ کا انتخاب مشکل ہوگیا۔

یہ حبشی نژاد صاحب رسولؐ کے جن سے رشتہ قرابت قائم کرنے میں مہاجرین اور انصار کے اکابر بھی مسرت اور فخر محسوس کرتے تھے سیدنا بلالؓ بن رباح حبشی تھے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعے کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

بارگاہِ نبوی کے جو موذن تھے بلالؓ
کرچکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں
جاکے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
ہوں غلام ابن غلام اور حبشی زادہ
یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ میری قرابت سے عذر



گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروقؓ میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات
یہ کہا حضرت فاروقؓ نے بادیدۂ تر
اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر
اس مساوات پہ ہے معشرِ اسلام کو ناز
نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلم اکبر

حضرت ابوعبداللہ بلالؓ بن رباح کا شمار دربار رسالت کے ان عظیم المرتبت اراکین میں ہوتا ہے کہ جن کا اسم گرامی سن کر ہر مسلمان کی گردن فرط احترام وعقیدت سے جھک جاتی ہے۔ طبرانیؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے لکھا ہے کہ رباح اصل کے اعتبار سے حبشی تھے وہ اپنی اہلیہ حمامہ کے ہمراہ مستقلاً مکہ میں آبسے تھے اور قریش کے خاندان بنوجمح کی گلامی اختیار کی تھی۔ (یا انہیں غلام بنالیا گیا تھا) اسی غلامی کی حالت میں بعثت نبویؐ سے تقریباً اٹھائیس برس پہلے رباح اور حمامہ کے فرزند بلالؓ پیدا ہوئے۔ بلالؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو چاروں طرف کفر وشرک کی ضلالت کو محیط پایا۔ ان کا آقا امیہ بن خلف جمحی بھی سخت مشرک تھا اسی کی غلامی میں انہوں نے زندگی کے اٹھائیس برس گزار دیئے، اسی اثناء میں ان کے کانوں میں دعوت توحید کی صدا پہنچی۔ یہ بعثت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی

رازداری کے ساتھ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت بلالؓ طبعاً نہایت نیک نفس اور پاکباز تھے اور غالباً بعثت سے پہلے بھی وہ حضورؐ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ صدائے توحید سنتے ہی انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور اپنا دل و جان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر بیٹھے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے لوائے توحید کو تھاما۔ اس طرح ان کو "السابقون الاولون" کی مقبول الٰہی جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہو گیا۔

امیہ بن خلف کے کانوں میں حضرت بلالؓ کے قبول اسلام کی بھنک پڑی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا:

"میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے۔ سچ سچ بتاؤ تم کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟"

حضرت بلالؓ نے بے دھڑک جواب دیا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی۔"

امیہ نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا:

"محمدؐ کے خدا کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تو مقدس لات وعزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ سیدھی طرح راہ راست پر آ جاؤ، ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لات وہبل کے ایک نام لیوا کے غلام ہو کر محمدؐ کے خدا کی پرستش کرو۔"

حضرت بلالؓ صہبائے توحید کے نشے میں مست ہو چکے تھے نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر جواب دیا:

"میرے جسم پر تمہارا زور چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں۔ اب ذات واحد کی عبادت ہی میری زندگی کا منتہائے مقصود ہے، تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں۔"

امیہ بن خلف غیظ وغضب سے دیوانہ ہو گیا۔ ایک بے کس غلام اور یوں اس کے منہ آئے؟ اس نے کڑک کر کہا:

"اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھوں گا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور وستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب مشہور ہے یہ دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ امیہ دوپہر کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی بالو پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کر سکیں۔ پھر کہتا کہ محمدؐ کی پیروی سے باز آ جا اور لات وعزیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں شہدائے حق حضرت بلالؓ کی زبان سے احد احد کی آواز نکلتی تھی۔ امیہ غضب ناک ہو کر ان کو زدوکوب کرنا شروع کر دیتا لیکن وہ احد احد ہی کہے چلے جاتے۔ ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی اس نے پوری ایک رات اور ایک دن حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے رقص بسمل کا تماشا دیکھتا رہا۔

"اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھوں گا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور وستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب مشہور ہے یہ دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ امیہ دوپہر کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی بالو پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کر سکیں۔ پھر کہتا کہ محمدؐ کی پیروی سے باز آ جا اور لات وعزیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں شہدائے حق حضرت بلالؓ کی زبان سے احد احد کی آواز نکلتی تھی۔ امیہ غضب ناک ہو کر ان کو زدوکوب کرنا شروع کر دیتا لیکن وہ احد احد ہی کہے چلے جاتے۔ ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی اس نے پوری ایک رات اور ایک دن حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے رقص بسمل کا تماشا دیکھتا رہا۔

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ امیہ نے ان کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لٹا رکھا تھا کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔ امیہ نے دیکھا کہ اتنی سختیوں کے باوجود اس عاشق ذوالجلال کی جبین ہمت پر شکن تک نہیں پڑی تو اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور اس نے اپنے دوسرے غلاموں اور بنو جمح کے لونڈوں کو ہشکار دیا کہ لات وہبل کے اس باغی کو اتنی اذیتیں دو کہ وہ محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کا نام لینا چھوڑ دے۔ یہ بدبخت امیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت بلالؓ کو بری طرح مارتے پیٹتے، دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے، شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے رہتے لیکن حضرت بلالؓ کی زبان سے احد احد کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ امیہ حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی باندھ کر انہیں لونڈوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکے کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے پھر جلتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھر کا ڈھیر لگا دیتے لیکن حضرت بلالؓ احد احد ہی کہے جاتے۔ شاعر دربار رسالت حضرت حسانؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ میں زمانہ جاہلیت میں حج (یا عمرے) کے لیے مکے گیا تو دیکھا کہ لڑکوں نے بلالؓ کو ایک رسی سے باندھ رکھا ہے اور ادھر ادھر گھسیٹ رہے ہیں لیکن وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات و عزیٰ اور ہبل اور اساف اور نائلہ اور بوانہ سب کا انکار کرتا ہوں۔

غرض حضرت بلالؓ مدت مدید تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم کی چکی میں پستے رہے کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے لیکن ان کی قوت ایمان کا یہ عالم تھا کہ

بڑھتا تھا اور شوق "گنہ" ہر سزا کے بعد

ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو چکا ہو لیکن کوئی بھی مصیبت، سختی اور اذیت ان کے قصر ایمان کے

کنگوروں کو ذرہ برابر جنبش نہ دے سکی۔

اتفاق سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا گھرانہ جمح کے محلے ہی میں تھا وہ آتے جاتے حضرت بلالؓ کو نت نئے مظالم کو شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہوجاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجہ ستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ ایک دن ان کا پیمانہ صبر بالکل لبریز ہوگیا، امیہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا:

''اے امیہ اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کر تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تو اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت کے دن تیرے کام آئے گا۔''

امیہ نے نہایت حقارت سے جواب دیا۔

''میں تمہارے خیالی یوم آخرت کا قائل نہیں۔ جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔''

صدیق اکبرؓ اس کے جواب سے دل برداشتہ نہ ہوئے اور بڑی نرمی سے سمجھایا کہ تم صاحب قوت ہو اس بے کس غلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا تمہارے شایانِ شان نہیں۔ اس طرح عربوں کی قومی روایات کو بٹہ نہ لگاؤ۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو سے تنگ آ کر امیہ نے کہا:

''ابن ابی قحافہ تم اس غلام کے اتنے ہی ہمدرد ہو تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟''

صدیق اکبرؓ نے جھٹ فرمایا: ''بولو کیا لوگے؟''

امیہ نے کہا: ''تم اپنا غلام فسطاس رومی مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ۔''

فسطاس بڑا کارگزار غلام تھا اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی۔ امیہ کا خیال تھا کہ ابوبکرؓ اس کو دینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بولے: ''مجھے منظور ہے۔''

اتفاق سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا گھرانہ جمح کے محلے ہی میں تھا وہ آتے جاتے حضرت بلالؓ کو نت نئے مظالم کو شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہوجاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجہ ستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ ایک دن ان کا پیمانہ صبر بالکل لبریز ہوگیا، امیہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا: ''اے امیہ اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کر تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تو اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت کے دن تیرے کام آئے گا۔'' امیہ نے نہایت حقارت سے جواب دیا۔ ''میں تمہارے خیالی یوم آخرت کا قائل نہیں۔ جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔'' صدیق اکبرؓ اس کے جواب سے دل برداشتہ نہ ہوئے اور بڑی نرمی سے سمجھایا کہ تم صاحبِ قوت ہو اس بے کس غلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا تمہارے شایانِ شان نہیں۔ اس طرح عربوں کی قومی روایات کو بٹہ نہ لگاؤ۔''

امیہ حیران رہ گیا۔ ڈھٹائی سے بولا:

''فسطاس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس پر بھی رضامندی ہوگئے۔

امیہ نے بزعم خود بڑے نفع کا سودا کیا۔ جب صدیق اکبرؓ بلالؓ کو ساتھ لے کر چلنے لگے تو ہنس کر کہنے لگا:

''ابن ابی قحافہ تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا۔''

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

''امیہ تو اس غلام کی قدر و قیمت سے واقف نہیں مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی بھی اس کی قیمت میں ہیچ ہے۔''

یہ کہہ کر حضرت بلالؓ کو آزاد کر دیا اور ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے سارا واقعہ حضورؐ کو سنایا آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''ابوبکرؓ اس کارِ خیر میں مجھے بھی شریک کرلو۔''

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔''

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھاری رقم دے کر حضرت بلالؓ کو خریدا اور پھر اللہ کی رضا جوئی کے لیے آزاد کر دیا۔ رحمت عالم نے خوش ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔

مشرکین کے پنجہ ستم سے رہائی پانے کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ دکھ ہو یا سکھ، سفر ہو یا حضر، وعظ وتبلیغ کی مجالس ہوں یا جنگ کا میدان، وہ ہمیشہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت اور محبت بلکہ عشق کی یہ کیفیت تھی کہ

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

۱۳ بعثت میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی تو حضرت بلالؓ بھی حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت سعدؓ بن خیثمہ انصاری کے مہمان ہوئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمانے کے چند ماہ بعد جب مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرائی تو حضرت بلالؓ کو حضرت ابورویحہؓ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔ ان دونوں بھائیوں میں اس قدر محبت تھی کہ حضرت بلالؓ کو کہیں باہر جانا پڑتا تو اپنے تمام امور کی ذمہ داری حضرت ابورویحہؓ کو سونپ جاتے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ شام کے جہاد میں شریک ہونے کے لیے مدینہ سے چلنے لگے تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا کہ بلالؓ تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا:

''ابو رویحہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ان کا جو رشتہ اخوت قائم فرمایا ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔''

غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بلالؓ کو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں وہ آٹا گوندھ رہے تھے کہ ان کی نظر امیہ بن خلف پر پڑی جسے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو امیہ کی اسلام دشمنی یاد آگئی اور وہ پکارنے لگے۔ ''اے

انصار اللہ وانصار الرسول یہ امیہ بن خلف مشرکوں کا سرغنہ ہے دکھنا بچ کے نہ جانے پائے۔'' ان کی آواز سنتے ہی چند صحابہ کرامؓ ادھر دوڑے اور آناً فاناً امیہ کو جہنم واصل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ امیہ کے ساتھ اس کا بیٹا بن امیہ بھی مارا گیا۔ یہ دونوں اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت بلالؓ نے ایک اور مشرک امیہ بن ابی حذیفہ مخزومی کو گرفتار کر لیا۔ اسے بعد میں عبداللہ بن ربیعہ مخزومی نے چار ہزار دینا فدیہ دے کر رہا کرایا۔

ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی اور اذان کی ابتدا ہوئی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے کی خدمت حضرت بلالؓ کے سپرد فرمائی۔ ابن سعد نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ ''بلال اسلام کے سب سے پہلے موذن ہیں۔''

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند اور دلکش تھی۔ حسن صوت کے ساتھ اس میں ایسی تاثیر تھی کہ جو سنتا سب کام چھوڑ چھاڑ والہانہ نماز کے لیے مسجد کی طرف لپکتا تھا۔

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو حضرت بلالؓ حسب معمول سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ تطہیر کعبہ کے بعد آپؐ نے حضرت بلال سے فرمایا:

''اے بلالؓ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی صدائے تکبیر بلند کرو۔''

حضرت بلالؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ اپنی دلکش آواز سے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** اور **اشھد ان محمد الرسول اللہ** پکار رہے تھے تو زمین و آسمان پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اُس وقت اور اس اذان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ وقت بھی اپنے اندر نعمت و بزرگی رکھتا تھا جس کے دامن اجلال تک دستِ ادراک کی رسائی ناممکن ہے، اس وقت کی عظمت کو حاملانِ عرش سے پوچھنا چاہیے کہ حضرت بلالؓ کی اس اذان کی آواز وہاں تک پہنچی تھی بلکہ اس سے بھی گزر گئی تھی۔ خداوند اس وقت کے طفیل ہمیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھ اور کلمہ اسلام کو اور بلند فرما۔''

۱۱ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت اختیار فرمایا تو حضرت بلالؓ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اپنے مخدوم و مطاع اور محبوب آقا کی جدائی نے ان کے دل کی دنیا اجاڑ دی۔ طبرانی نے عبداللہ بن محمد، عمرؓ اور عمارؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

''اے خلیفہ رسول میں نے اپنے آقا کو یہ فرماتے سنا کہ مومنین کے لیے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، میرا ارادہ ہے کہ اب میں تادمِ مرگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''اے بلالؓ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں اور اپنی حرمت اور اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اور میری وفات قریب ہے اس وقت تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔''

حضرت بلالؓ نے صدیق اکبر کی بات مان لی اور مدینہ منورہ میں ہی ٹھہر گئے۔

صحیح بخاری اور طبقات ابن سعد کی روایتوں کے مطابق حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا کہ:

''اے خلیفہ رسول کیا آپ نے مجھے خدا کے لیے آزاد کیا تھا یا اس لیے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔''

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:

''میں نے تمہیں محض اللہ کے لیے آزاد کیا تھا۔'' اس پر حضرت بلالؓ نے درخواست کی کہ ''مجھے جہاد پر جانے دیجئے کیونکہ اپنی بقایا زندگی اسی کام میں گزارنا چاہتا ہوں جسے میرے آقا نے مومن کا سب سے بہتر کام قرار دیا ہے۔'' لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خدا کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ مجھے اس عالم پیری میں اپنی رفاقت سے محروم نہ کرو۔

حضرت بلالؓ ان کی بات مان تو گئے لیکن ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا۔''

صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ''تمہیں اس بات کا اختیار ہے۔''

ان روایات کے برعکس ابونعیمؒ نے ''حلیہ'' میں حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ کے لیے آزاد کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ پھر مجھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اجازت دے دی اور وہ شام جانے والے لشکر میں شامل ہو گئے لیکن بخاری اور ابن سعد کی روایات کے مقابلے میں حلیہ کی روایت کی سندی حیثیت کمزور ہے اس لیے ارباب سیر میں سے اکثر کی رائے یہی ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کی ابتدا میں جہاد کے لیے شام گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

بیت المقدس کی تسخیر کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ

غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بلالؓ کو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں وہ آٹا گوندھ رہے تھے کہ ان کی نظر امیہ بن خلف پر پڑی جسے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو امیہ کی اسلام دشمنی یاد آ گئی اور وہ پکارنے لگے۔ ''اے انصار اللہ وانصار الرسول یہ امیہ بن خلف مشرکوں کا سرغنہ ہے دکھنا بچ کے نہ جانے پائے۔'' ان کی آواز سنتے ہی چند صحابہ کرامؓ ادھر دوڑے اور آناً فاناً امیہ کو جہنم واصل کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ امیہ کے ساتھ اس کا بیٹا بن امیہ بھی مارا گیا۔ یہ دونوں اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت بلالؓ نے ایک اور مشرک امیہ بن ابی حذیفہ مخزومی کو گرفتار کر لیا۔ اسے بعد میں عبداللہ بن ربیعہ مخزومی نے چار ہزار دینا فدیہ دے کر رہا کرایا۔

کو بہ نفسِ نفیس شام جانا پڑا۔ ان کی بیت المقدس پہنچنے پر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خلیفۃ المسلمین نے عیسائیوں سے معاہدہ صلح مرتب کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ سامعین میں حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''اے ہمارے سردار بلال آج سے اسلام کے قبلہ اول پر پرچم توحید لہرایا ہے اس باعظمت موقع پر آپ اذان دیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔''

حضرت بلالؓ نے عرض کیا:

''امیر المومنین میں عہد کرچکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اذان کے لیے کھڑے ہوگئے۔ جب ان کے منہ سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ نکلے تو صحابہ کرامؓ کے قلب وجگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ انہیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا سماں یاد آ گیا۔ جب وہ اشھد ان محمد الرسول اللہ پر پہنچے تو صحابہ کرامؓ روتے روتے نڈھال ہوگئے۔ فاروق اعظمؓ کو فراق رسول نے تڑپا دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبل کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی مشکل سے ان عاشقانِ رسولؐ کو قرار آیا۔

مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ اپنے قیامِ شام کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ امرائے شام پرند کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا کچھ کھانا جانتے ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں وہاں بہت سستی ہیں تاہم آپ نے تمام امراء سے اقرار لیا کہ وہ روزانہ فی کس دو روٹی، زیتون کا تیل اور سرکہ عام لوگوں میں تقسیم کریں گے اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ کریں گے۔

شام کے معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے وہیں کے ایک گاؤں ''خولان'' میں مستقل سکونت اختیار کرلی، ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں۔'' اے بلالؓ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لیے آؤ۔'' اس خواب نے اس عاشقِ صادق کا دل و دماغ جھنجوڑ ڈالا۔ آتش فراق بھڑک اٹھی اور بے تابانہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو صبر وقرار کا یارانہ رہا اور فراقِ حبیبؐ میں اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوب کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار باران کا منہ اور سر چومتے تھے۔ انہوں نے خواہش کی کہ ''بابا بلالؓ کل فجر کی اذان روضہ رسول پر آپ دیں۔'' بلالؓ اپنے آقا ومولاؐ کے جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ فجر ہوئی تو روضہ رسولؐ کے قریب (یا بروایت دیگر مسجد نبوی کی چھت پر) اذان کے لیے کھڑے ہوگئے۔ سارا مدینہ ان کی اذان سننے کے اُمڈ آیا۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی مدینہ منورہ کی پوری فضا حشر ساماں ہوگئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضہ اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ کرکے اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو پردہ نشین خواتین بھی بے تاب ہوکر گھروں سے باہر نکل آئیں روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہادی برحق سیدنا کونین نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا دلدوز اور پراثر منظر آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت

ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں۔'' اے بلالؓ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لیے آؤ۔'' اس خواب نے اس عاشقِ صادق کا دل ودماغ جھنجوڑ ڈالا۔ آتش فراق بھڑک اٹھی اور بے تابانہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو صبر وقرار کا یارانہ رہا اور فراقِ حبیبؐ میں اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوب کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار باران کا منہ اور سر چومتے تھے۔ انہوں نے خواہش کی کہ'' بابا بلالؓ کل فجر کی اذان روضہ رسول پر آپ دیں۔'' بلالؓ اپنے آقا ومولاؐ کے جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ فجر ہوئی تو روضہ رسولؐ کے قریب (یا بروایت دیگر مسجد نبوی کی چھت پر) اذان کے لیے کھڑے ہوگئے۔ سارا مدینہ ان کی اذان سننے کے اُمڈ آیا۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی مدینہ منورہ کی پوری فضا حشر ساماں ہوگئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضہ اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ کرکے اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو پردہ نشین خواتین بھی بے تاب ہوکر گھروں سے باہر نکل آئیں روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہادی برحق سیدنا کونین نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا دلدوز اور پراثر منظر آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

بلالؓ نے ۲۰ ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ دمشق میں باب الصغیر کے قریب تدفین ہوئی ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو بلالؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ روتے روتے نڈھال ہوگئے۔ بار بار فرماتے تھے:

''آہ ہمارا سردار بلالؓ بھی ہمیں داغ جدائی دے گیا۔''

علامہ ابن سعدؒ اور ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ نے اپنی زندگی میں متعدد نکاح کیے لیکن کسی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی بیویاں عرب کے نہایت شریف اور معزز خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کی ایک بیوی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ایک بیوی کا نام ہند والخولانیہ تھا۔ جو قبیلہ بنو زہرہ سے تھیں۔ ایک بیوی کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تھا۔

حضرت بلالؓ کے گلشن اخلاق میں سبقت فی الاسلام، تحمل شدائد، عشق رسولؐ، شوقِ جہاد، شغفِ عبادت اور جوش ایمان سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ سفر ہو یا حضر وہ ہمیشہ رحمت عالم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ عیدین اور استقا کے موقعوں پر برچھا لے کر حضورؐ کے آگے آگے چلتے۔ حضورؐ کسی کام کا حکم دیتے تو اس کو انجام دینے میں اپنی جان لڑا دیتے۔ ان کی اسی وفا شعاری اور اخلاص نے ان کو حضورؐ کا خاص معتمد بنا دیا تھا۔ اور آپؐ نے اپنے بیشتر خانگی امور ان کے سپرد کر دیے تھے۔ وہ حضورؐ کے موذن ہی نہ تھے بلکہ ایک عابد شب زندہ دار بھی تھے اور فکرِ آخرت سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ ان کی بیوی ہند کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ اپنے بستر پر لیٹتے تو فرماتے:

''الٰہی میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں میں مجھے معذور سمجھ۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا:

''اے بلال مجھے تم اپنا کوئی ایسا عمل بتاؤ جس پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کی امید ہو کیونکہ میں نے اپنے آگے جنت میں تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔''

عرض کیا: ''یا رسول اللہ میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں البتہ رات دن میں میرا کوئی وضو ایسا نہیں ہے جس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو۔''

حضرت بلالؓ کو بارگاہ رسالت میں جو قرب حاصل تھا اسکی بنا پر تمام صحابہ کرامؓ ان کو نہایت محبوب و محترم جانتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

''ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالاً''

(ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کر دیا)

ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کے ایک بھائی نے جو اپنے آپ کو عربی النسل ظاہر کرتے تھے کسی عرب خاندان میں نکاح کا پیغام بھیجا، ان لوگوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم آپ کو نہیں جانتے ہاں اگر بلالؓ آ کر تصدیق کریں کہ آپ واقعی ان کے بھائی ہیں تو ہمیں آپ کو رشتہ دینے میں کوئی عذر نہیں۔

حضرت بلالؓ نے تشریف لا کر کہا: ''صاحبو میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت چنداں اچھی نہیں، تمہارا جی چاہے تو اپنی لڑکی اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کردوں۔''

انہوں نے کہا: ''بلال جس کے آپ بھائی ہیں اس سے رشتہ مناکحت قائم کرنا ہمارے لیے باعث صد افتخار ہے۔''

عہد فاروقی میں ایک مرتبہ قریش کے چند رؤسا حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات کے لیے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت بلال بھی وہاں آپہنچے، حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت بلالؓ کو اندر بلایا۔ اکابر قریش میں سے بعض پر یہ بات گراں گزری اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ شرفاء قریش تو انتظار کر رہے ہیں اور بلال حبشی کو ان پر ترجیح دے کر شرف باریابی بخشا جا رہا ہے۔ اس موقع پر حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل (اور بروایت دیگر حضرت سہیلؓ بن عمرو) نے کہا:

''داعی حقؐ نے ہم سب کو بیک وقت حق کی طرف بلایا لیکن ہم نے اس کے قبول کرنے میں تاخیر کی اور بلال جیسے لوگ ہم پر سبقت لے گئے لہٰذا اب بھی وہی شرف اولیت رکھتے ہیں اور ہمیں شکایت کا کوئی حق حاصل نہیں۔''

حضرت بلالؓ کے جوش ایمان کی یہ کیفیت تھی کہ ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ فرمایا، اللہ اور اس کے رسولؐ پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ، پھر جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرو اور پھر حج بیت اللہ کا فرض ادا کرو۔

قبول اسلام کے بعد حضرت بلالؓ زہد و فقر میں ہمیشہ اپنے آقا و مولاؐ کے شریک رہے۔ اگر حضورؐ کو فاقہ ہوتا تو وہ بھی فاقہ سے ہوتے۔ اگر حضورؐ کو کوئی دکھ پہنچتا تو وہ بھی سخت دکھی ہو جاتے۔ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس رات دن مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے۔ سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔''

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت بلالؓ چونکہ عربی نژاد نہیں تھے اس لیے اذان میں حائے حطی کے بجائے ہائے ہوز کا تلفظ ادا کرتے تھے۔ مکہ کے کچھ نو مسلم حضرات نے حضور پرنورؐ کی توجہ اس طرف دلائی تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کے صدق و نیاز اور اخلاص کی تحسین فرمائی اور ان کا اعتراض یہ فرما کر رد کر دیا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلالؓ کی ہائے ہوز تمہاری حائے حطی سے بہتر ہے۔''

لیکن بعض ارباب علم نے ان روایتوں پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ تمام حروف کے مخارج بالکل صحیح ادا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سیدنا حضرت بلالؓ نے صبر و استقامت اور صدق و اخلاص کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کیے وہ ہر مسلمان کے لیے تا ابد مشعل راہ بنے رہیں گے۔ ان کا اسم گرامی سن کر ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کو حضرت بلالؓ کے عشق رسولؐ کاس ہزارواں لاکھواں حصہ ہی نصیب ہو جائے اور یوں اس کی آخرت سنور جائے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جلوت کدہ

انسان اور مذہب

ہر انسان اللہ کا بندہ ہے، ہر انسان آدم کی اولاد ہے، ہر انسان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے.........گویا ہر انسان کے انسان سے تین رشتے تو ہیں......... یہ بڑے دائرے ہیں پھر ملک و وطن، رنگ و نسل، قبیلوں، برادریوں اور خاندانوں کے چھوٹے چھوٹے دائرے ہیں......... حضرت محمد ﷺ نے بڑے دائروں کا خیال رکھا اور عین جنگ میں اپنے دشمنوں کے لئے دعا فرمائی۔

انسان پر اللہ کا خاص کرم ہے، زمین پیروں تلے ہے، پانی بھی پیروں تلے ہے اور اوپر سے برس بھی رہا ہے۔ جڑی بوٹیاں بھی پیروں میں لوٹ رہی ہیں، ہر بوٹی ہزار امراض کا علاج اور ہزار ہزار مریضوں کا مداوا ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں، نعمتوں کو نہیں دیکھتے، ادھر ادھر دیکھتے ہیں، سب کی نعمتیں دیکھتے ہیں مگر اپنی نعمتیں نہیں دیکھتے......... ہمارے اندر نعمتیں، باہر نعمتیں، آگے نعمتیں، پیچھے نعمتیں، دائیں نعمتیں، بائیں نعمتیں، اوپر نعمتیں، نیچے نعمتیں، نعمتیں ہی نعمتیں ہیں پھر بھی ہمیں نظر نہیں آتیں، ہوس اور حسد نے ہماری بینائی چھین لی، کاش ہم دیکھتے، کاش ہم اپنے من میں اس کو پالیتے۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

ہر انسان اللہ کا بندہ ہے، ہر انسان آدم کی اولاد ہے، ہر انسان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ گویا ہر انسان کے انسان سے تین رشتے تو ہیں......... یہ بڑے دائرے ہیں پھر ملک و وطن، رنگ و نسل، قبیلوں، برادریوں اور خاندانوں کے چھوٹے چھوٹے دائرے ہیں......... حضرت محمد ﷺ نے بڑے دائروں کا خیال رکھا اور عین جنگ میں اپنے دشمنوں کے لئے دعا فرمائی۔

ترجمہ:

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، وہ مجھے جانتی نہیں۔"

آپ نے دشمنوں کے لئے اسی لئے دعا کی کہ وہ اللہ کے بندے تھے، آدم کی اولاد تھے اور آپ ﷺ کے امتی تھے۔ اسی لئے وہ ایک اعتبار سے رحم و کرم کے مستحق تھے۔

بے شمار لوگ مذہب کی بات کرتے ہیں......... مذہب کیا ہے؟......... ایک راستہ، ایک طریقہ، اور ایک منزل ہے......... راستے کے بغیر چل نہیں سکتے، ٹھوکریں کھا کھا کر گرتے ہیں......... جب راستہ مل جاتا ہے، چلتے چلے جاتے ہیں، منزل تک پہنچ جاتے ہیں......... عقل والوں نے مذہب کی تعریف کی ہے، مگر نا تمام اور ناقص

سیدھی سیدھی بات یہ ہے ایسا راستہ جو منزل تک پہنچا دے......... اب دیکھنا یہ ہے کہ مذہب کو ہماری ضرورت ہے یا ہم کو مذہب کی ضرورت؟ جس طرح اچھی حکومت وہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہو اسی طرح اچھا مذہب وہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہو، وہ اچھا کیسے ہوسکتا ہے، جس کو انسانوں کی ضرورت ہو، جس مذہب کو ہماری ضرورت ہے وہ ہماری رہنمائی نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ خود محتاج ہے محتاج کسی کی کیا مدد کرسکتا ہے......... جب ہم دین فطرت کی بات کرتے ہیں تو انسان کے عالمی مذہب کی بات کرتے ہیں جو بغیر لالچ کے خود بخود پھیلتا چلا جاتا ہے......... گوتم بدھ نے جب ایک ہزار برس پہلے حضرت محمد ﷺ کی بات کی تھی تو اسی دین فطرت کی بات کی تھی اور کیسی دل لگتی بات کہی تھی۔

"اس کا مذہب اس طرح پھیلے گا جس طرح اولے میں آگ پھیلتی ہے۔"

یعنی جس طرح اینٹوں کے بھٹے میں اندر ہی اندر آگ سلگتی ہے اور اس کی گرمی اور حرارت سے اینٹیں پکتی چلی جاتی ہیں، کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے، پھر وہی کچی اینٹیں پک پک کر باہر نکلتی جاتی ہیں اور مکانات و محلات بناتی چلی جاتی ہیں......... جس خاموشی سے بھٹی کی آگ اینٹوں پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح خاموشی سے دین فطرت انسانوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہاں زن، زر، زمین کی لالچ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دین فطرت انسان کا اپنا دین ہے اور اپنی چیز کسی لالچ کے بغیر اپنالی جاتی ہے......... دین فطرت سارے انسانوں کا دین ہے۔ وہ دین فطرت قبول کرکے کسی اور کے گھر میں نہیں جاتے، اپنے ہی گھر میں آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سچائی خود بخود پھیلتی ہے اور سچے دین کی نشانی یہی ہے کہ وہ خود بخود پھیلے......... جھوٹی چیزوں کو اشتہار کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور جھوٹ سچ ملانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن سچائی روکے نہیں رکتی، دلوں میں گھر کرتی اور اترتی چلی جاتی ہے......... ہم دیکھتے ہیں عالمی سطح پر پڑھے لکھے لوگ دین فطرت میں داخل ہو رہے ہیں گویا اپنے گھر واپس آ رہے ہیں......... یہ کسی کی فتح نہیں، یہ حق کی فتح ہے یہ سچائی کی فتح ہے۔ رب ایک ہے، دین ایک ہے، دین فطرت انسانوں کا اپنا دین ہے۔

دین فطرت سب کا دین ہے اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں اللہ کے بندے اللہ کے دین کو قبول کرلیں تو دنیا کا سارا فساد ایک آن میں ختم ہوسکتا ہے......... المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کو چھوڑ کر اس کو غیروں کا گھر سمجھنے لگے۔ جب اپنے گھر میں آئیں گے، گھر آباد ہوں گے، گلی کوچے آباد ہوں گے، شہر آباد ہوں گے، ملک آباد ہوں گے، دنیا آباد ہوگی اور پھر برسوں کے بچھڑے ہوئے گلے مل کے درندوں اور حیوانوں جیسی زندگی سے نجات حاصل کر کے انسانوں کی طرح رہنے لگیں گے، ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں گے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے لگیں گے تنگ نظر رہنماؤں کی تنگ نظری سے نجات حاصل کر کے کھلی فضا میں سانس لینے لگیں گے، رنگ، نسل اور زبان وغیرہ کے سارے تفرقے مٹا کر انسانی وحدت میں گم ہو جائیں گے ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم ہر کام میں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، لکھنے پڑھنے، کام کاج کرنے، الغرض ہر چیز میں اپنے فائدے پر نظر رہتی ہے، جب ہم دنیا کے معاملات میں اپنے فائدے پر نظر رکھتے ہیں......... پر مذہب کے انتخاب میں ہمارا طرز عمل مختلف کیوں ہو جاتا ہے، ہم اپنے فائدے پر کیوں نظر نہیں رکھتے.........؟ ہمیں مذہب کے معاملے میں

حسین کی جماعت حزب البعث سے تعلق رکھنے کے جرم میں 400 عراقی گرفتار کر لیے۔ امریکی فوج نے شمالی عراق کے شہر سلیمانیہ سے سرکردہ مسلم رہنما علی باپیر اور ان کے 3 ساتھیوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ ادھر امریکا نے دیگر ممالک سے اپنی افواج عراق بھیجنے کی جو درخواست کی تھی اس پر عالمی ردعمل حوصلہ شکن ثابت ہوا ہے۔ فرانس کے صدر ژاک شیراک نے اعلان کیا ہے کہ عراق میں سلامتی کے بحران اور بدامنی کے پیش نظر فرانس عراق میں اپنی افواج بھیجنے کو تیار

امریکی ذرائع کے بقول عراقیوں کی موجودہ گوریلا جنگ کی منصوبہ بندی بہت پہلے ہو چکی تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے گزشتہ 23 جنوری کو عراقی خفیہ پولیس مخابرات نے احکام جاری کیے تھے کہ ''اللہ نہ کرے عراقی قیادت امریکی برطانوی صہیونی اتحادی فوجوں کے سامنے بے بس ہو جائے، تو اس کے بعد جو اقدام ضروری ہو کر گزریں۔

نہیں۔ اس سے پہلے جرمنی اور بھارت بھی اس طرح کے اعلانات کر چکے ہیں۔ اس دوران ایک تنظیم نے اعلان کیا ہے کہ جس ملک نے عراق میں فوج بھیجی، ہم اس سے انتقام لیں گے۔ شاید اسی صورت حال کے پیش نظر عراق میں امریکی منتظم پال بریمر نے 16 جولائی کو بتایا کہ عراق میں آئین کی تیاری کے بعد امریکی فوج عراق سے نکل جائے گی۔ یہ بات انہوں نے عراق کے لیے نامزد گورننگ کونسل کے اجلاس میں بتائی۔ بریمر نے کہا کہ مجوزہ آئین کی حتمی منظوری ریفرنڈم کے ذریعے براہ راست عراقی عوام سے لی جائے گی۔ اندازہ ہے کہ آئین کی تیاری اور ریفرنڈم کے ذریعے منظوری میں 6 ماہ کا عرصہ لگے گا۔ 25 رکنی گورننگ کونسل آئین کی تیاری میں اہم کردار ادا کرے گی۔ اس دوران بصرہ میں ہزاروں افراد نے نئی گورننگ کونسل کے قیام کے خلاف احتجاجی ریلی میں مطالبہ کیا کہ تین دن کے اندر گورننگ کونسل ختم کردی جائے اور ملک میں ایک ایسی عبوری حکومت قائم کی جائے جو تمام حلقوں کی نمائندہ ہو اور جسے وسیع اختیارات حاصل ہوں۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ اس عبوری حکومت کو آئین کی تشکیل اور پارلیمنٹ کے انتخاب کا حق ملنا چاہیے۔

......O......

سقوط بغداد کے بعد بش انتظامیہ کے افسران بڑے دعوے سے کہتے تھے کہ صدام زندہ ہو یا مردہ وہ ختم ہو چکا ہے لیکن اب انکی زبان پر یہ بات نہیں آتی۔ پچھلے ہفتے امریکی سی آئی اے نے اس بات کی تصدیق کردی کہ الجزیرہ پر سنائی دینے والی آواز صدام حسین ہی کی تھی۔ جب انہوں نے عراقی عوام سے اپیل کی کہ وہ ''کافر حملہ آوروں'' کے خلاف مزاحمت جاری رکھیں۔ صدام حسین نے الجزیرہ کے پیغام میں کہا: ''میں کہا ہوں کہ میں عراق ہی میں ہوں اور میں آپ سب کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ اگرچہ میں آپ لوگوں کے درمیان میں ہوں لیکن آپ جانتے ہیں کہ حالات کیسے ہیں؟'' انہوں نے مزید کہا: ''بھائیو اور بہنو! میں آپ کو یہ اچھی خبر سنا رہا ہوں کہ جہاد سیل اور بریگیڈ قائم کردیئے گئے ہیں۔''

امریکی ذرائع کے بقول عراقیوں کی موجودہ گوریلا جنگ کی منصوبہ بندی بہت پہلے ہو چکی تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے گزشتہ 23 جنوری کو عراقی خفیہ پولیس مخابرات نے احکام جاری کیے تھے کہ ''اللہ نہ کرے عراقی قیادت امریکی برطانوی صہیونی اتحادی فوجوں کے سامنے بے بس ہو جائے، تو اس کے بعد جو اقدام ضروری ہو کر گزریں۔ نیوز ویک کے مطابق اسے حاصل ہونے والی مخابرات کی ''خفیہ دستاویز میں 11 اقدامات کی فہرست دی گئی ہے جس کا آغاز یوں ہے: ''تمام سرکاری اداروں کو لوٹ کر نذر آتش کرنا جو ہمارے ڈائریکٹوریٹ اور دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں...... ''اس دستاویز میں خفیہ پولیس کو حکم دیا گیا تھا کہ بجلی کے کارخانے سبوتاژ کردیں۔ شہریوں سے مسروقہ اسلحہ خرید لیں اور بالعموم افراتفری پیدا کردیں۔

نیوز ویک کے الفاظ میں ''اس دستاویز کی سرکاری طور پر تصدیق نہیں ہو سکی لیکن ایک سینئر پینٹاگان افسر نے اسے قابل قبول قرار دیا۔ بہرحال اس پر عمل درآمد مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک ضرور ہوا ہے۔''

یکم مئی 2003ء کو جب صدر بش نے عراق میں بڑے جنگی آپریشن ختم کرنے کا اعلان کیا وہاں 78 امریکی اور 10 برطانوی ہلاک ہو چکے ہیں اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہیں۔ امریکی عوام کو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا امریکا کو گوریلا جنگ میں الجھا لیا گیا ہے۔ شروع میں امریکی حکام گوریلا جنگ کو خارج از بحث قرار دیتے تھے مگر اب اپنے جوابات میں محتاط الفاظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ بش نے بڑے دعوے کے ساتھ عراقی جنگ کی کامیابی کا اعلان کیا تھا مگر اب انہیں کہنا پڑا ہے ''ہمیں وہاں مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔''

اے ایف پی کے مطابق تکریت کے لوگوں میں آج بھی صدام کے لیے محبت اور گرمجوشی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ صدام حسین کا دور حکومت موجودہ دور سے اچھا تھا جس میں سیکورٹی کے انتظام اچھے تھے اور لوگ بے خوف وخطر گھوم پھر سکتے تھے۔ پانی اور بجلی کا نظام درست تھا۔ وافر خوراک تھی جبکہ اب عراقی متعدد مشکلات کا شکار ہیں۔ تکریت کے ایک رہائشی فیصل حمید سلمان نے کہا کہ حالیہ صورتحال نہایت خوفناک ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ صدام زندہ ہیں۔ ایک شہری حسین علی نے بتایا کہ امریکی فوجیوں نے ان کے رشتہ داروں کو قید کر رکھا ہے، جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ کل آئیں، ملاقات کرادیں گے مگر اگلے دن پھر وہی کہا جاتا ہے کہ کل آئیں۔ اس نے بتایا کہ ہم اپنے عزیزوں سے ملنے کو ترس رہے ہیں۔''

......O......

16 جولائی کو انبار ڈویژن کے علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے حدیثہ کا گورنر اور اس کا ایک بیٹا ہلاک ہو گئے۔ علاقے کے لوگوں نے بتایا کہ ان پر غیر ملکی فوج سے تعاون کا الزام تھا۔ یہ حملہ بعث پارٹی کی سالگرہ سے ایک دن پہلے کیا گیا۔ واضح رہے بعث پارٹی نے عراق میں 17 جولائی 1968ء کو انقلاب برپا کیا تھا جس کے گیارہ برس بعد صدام حسین برسر اقتدار آئے تھے تاہم امریکی فوج نے سترہ جولائی کی تعطیل منانے پر پابندی لگادی

تھی۔ اطلاعات کے مطابق حدیثہ کا گورنر محمد نبیل الجرانی اپنے ایک بیٹے کے ساتھ گھر جارہا تھا کہ راستے میں چھاپہ ماروں نے خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کرکے دونوں کو ہلاک کردیا اور فرار ہوگئے۔ حدیثہ شہر بغداد سے 150 کلومیٹر دور ہے اور سنی اکثریت کا علاقہ ہے۔ عراقی پولیس کیپٹن کے مطابق گورنر جرانی صدام حسین کے آفس میں کام کرنے والوں سے کاریں چھین رہا تھا جب کہ یہاں صدام کے حامی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس دوران آزادی عراق نامی تنظیم نے سرکاری ملازموں کو ایک انتباہی خط بھی بھیجا جس میں ان سے کہا گیا ہے کہ وہ دفاتر میں نہ جائیں۔ اس تنظیم نے الجزیرہ ٹی وی کو بتایا کہ جو ملک اپنی فوج عراق بھیجے گا اس سے انتقام لیا جائے گا۔ انہوں نے کوفی عنان کو بھی ایک خط بھیجا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کے پرچم تلے امن فوج پر بھی حملے کیے جائیں گے۔ الجزیرہ کے مطابق حدیثہ کے باشندوں نے الزام لگایا ہے کہ گورنر امریکی فوج کا پٹھو تھا وہ اس شہر کا باشندہ بھی نہیں تھا۔ اس حملے سے دوسرے عراقی حکام بد دل ہوگئے ہیں۔ اس شہر سے عراق کی گورننگ کونسل میں ایک رکن شاکر محمود کو بھی لیا گیا ہے۔ مبصرین کے مطابق امریکی فوجیوں پر حملے بڑھ گئے ہیں اور ان میں بارودی سرنگیں اور بوبی ٹریپ استعمال کیے جارہے ہیں۔ امریکی فوج نے ان حملوں کے لیے صدام حسین کے حامیوں کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہے۔

......o......

آخرکار امریکی سنٹرل کمان کے لبنانی نژاد نئے سربراہ جنرل جان ابی زید نے اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ ان کی فوج کو عراق میں گوریلا جنگ کا سامنا ہے۔ پینٹاگان میں ایک بریفنگ دیتے ہوئے جنرل ابی زید نے ان حملوں کی ذمہ داری عراق کی سابق حکمران جماعت حزب البعث پر عائد کی ہے۔ اس سے پہلے امریکی وزارتِ دفاع نے کبھی ان حملوں کے لیے گوریلا کارروائیوں کی اصطلاح استعمال نہیں کی تھی۔ 30 جون کو رمز فیلڈ نے کہا تھا کہ یہ گوریلا جنگ یا منظم مزاحمت نہیں لیکن اب جنرل ابی زید نے کہا ہے کہ ان کارروائیوں کو جس طرح بھی بیان کیا جائے یہ ہمارے خلاف گوریلا جنگ ہی ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ چند روز پہلے ان کے طیارے پر میزائل حملے سے وہ خوفزدہ ہوگئے تھے۔ جنرل ابی زید کا یہ بیان ایک ایسے وقت سامنے آیا ہے جب عراق میں تعینات امریکی فوجیوں نے ذرائع ابلاغ میں کھلم کھلا عراق میں جاری کارروائیوں پر خوف اور اپنی وہاں موجودگی پر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔ گزشتہ روز امریکی فوج پر ہونے والے حملے کے بعد ایک امریکی فوج نے غصے میں آکر زمین پر گولیاں داغنی شروع کردیں جب کہ ایک اور فوجی رو رہا تھا۔ بی بی سی کے مطابق عراق میں امریکی فوجی نہ صرف خوف زدہ ہیں بلکہ امریکی حکام کے ساتھ کام کرنے والے عراقیوں کو بھی اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حدیثہ شہر میں امریکا نواز میئر اور اس کے بیٹے کی ہلاکت کے بعد اب امریکیوں کے ساتھ کام کرنے والے مترجموں کو اپنے خلاف انتقامی کارروائی کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔

16 جولائی کو بغداد کی ابوغریب جیل کے نزدیک متروک امریکی فوجی گاڑی جس وقت دھماکے سے اڑائی گئی اس وقت امریکی فوج کے تیسرے انفنٹری ڈویژن کا تیس ٹرکوں پر مشتمل قافلہ لیفٹیننٹ کرنل کینتھ گانٹ کی قیادت میں وہاں سے گزر رہا تھا۔ سڑک کے ایک طرف کھڑی سات ٹن وزنی امریکی فوجی گاڑی میں دھماکا خیز مواد چھپایا گیا تھا۔ جب دس فوجی ٹرکوں کی لائن وہاں سے گزرنے لگی تو اس فوجی گاڑی کو ریموٹ کنٹرول سے اڑا دیا گیا۔ دو فوجی ایک ٹرک سے باہر نکلے تو ان میں سے ایک پیچھے آنے والے ٹرک کے نیچے آکر ہلاک ہوگیا، دو اور فوجی دھماکے کے نتیجے میں زخمی ہوئے۔ اے ایف پی نے بتایا کہ دھماکے سے ایک ٹرک کو نقصان پہنچا۔ وہاں سڑک کے ساتھ ساتھ کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور سڑک کے درمیان تباہ شدہ عراقی ٹینک نظر آتے ہیں۔ امریکی فوجی ڈیوڈ مکال نے کہا کہ میں نے ایک بڑا دھماکا سنا، پھر بے پناہ دھواں اٹھا اور فضا میں گولیوں کی تڑتڑ سنائی دینے لگی۔ اسپیشلسٹ مکال نے مایوسی ظاہر کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں یہاں سے نکل جانے کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں ٹرکوں میں بیٹھے اس حالت میں ہیں جیسے قدم قدم چلتی بطخیں، ہوں ہم اپنا بچاؤ نہیں کرسکتے۔''

فوجی قافلے کے قائد لیفٹیننٹ کرنل گانٹ نے کہا کہ (حریت پسندوں کے) اس حملے میں (ہماری) بدقسمتی یہ رہی کہ قافلے کو کسی نوع کی بیرونی سپورٹ میسر نہ تھی جیسے ملٹری پولیس یا گن شپ ہیلی کاپٹر...... گویا امریکی فوجیوں کی

16 جولائی کو انبارڈویژن کے علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے حدیثہ کا گورنر اور اس کا ایک بیٹا ہلاک ہوگئے۔ علاقے کے لوگوں نے بتایا کہ ان پر غیر ملکی فوج سے تعاون کا الزام تھا۔ یہ حملہ بعث پارٹی کی سالگرہ سے ایک دن پہلے کیا گیا۔ واضح رہے بعث پارٹی نے عراق میں 17 جولائی 1968ء کو انقلاب برپا کیا تھا جس کے گیارہ برس بعد صدام حسین برسراقتدار آئے تھے تاہم امریکی فوج نے سترہ جولائی کی تعطیل منانے پر پابندی لگادی تھی۔

حالت اس قدر نازک ہے کہ وہ ملٹری پولیس یا گن شپ ہیلی کاپٹروں کی مدد کے بغیر نقل و حرکت نہیں کرسکتے۔ مذکورہ واقعے کے دن صبح دس بجے بغداد کے شمال میں امریکی فوج پر گھات لگا کر جو حملہ کیا گیا اس میں بہت سے فوجی نشانہ بنے ہلاک یا زخمی ہونے والے فوجیوں کی تعداد نہیں بتائی گئی۔

......o......

تکریت آخری عراقی شہر تھا۔ جس نے گزشتہ جنگ میں امریکی فوج کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔ شمالی عراق کے اس شہر میں دیواروں پر جابجا آج بھی صدام حسین کے حق میں نعرے لکھے ہیں۔ اگرچہ صدام کے بڑے قصر میں امریکی فوجیوں نے ڈیرا لگا رکھا ہے جو ان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اے ایف پی کے مطابق ایک دیوار پر لکھا ہے ''صدام زندہ ہے...... عراق زندہ باد اور اس کا صدر صدام حسین زندہ باد'' جب کہ تیسرا دیواری نعرہ یوں ہے:

''بش ایک احمق ہے اور ایک کتا ہے۔''

تکریت کے شہری شیخ فیصل حمید سلیمان کا بھائی امریکیوں نے قصر صدام میں قید کر رکھا ہے جسے اب امریکی پیلس کی بجائے وہم قرار دیتے ہیں۔ شیخ سلمان نے بتایا کہ امریکیوں نے اس کے ہزاروں ڈالر ضبط کرلیے۔ جون میں خود انہیں بھی امریکیوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ پورے جلابیہ اور

روایتی کفیہ میں ملبوس حسین علی شلال کا بیٹا بھی قید ہے مگر امریکی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے جب کہ شلال کے بقول صدام دور میں اگر کوئی گرفتار ہوتا تو ہر دس دن بعد ورثا کو اس سے ملنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ساٹھ ستر سالہ شیخ شلال کے بیٹے کو ڈیڑھ ماہ پہلے اس وقت گرفتار کرلیا گیا تھا جب وہ ایک امریکی فوجی مرکز کو ٹرک میں خوراک لے جارہا تھا۔

شیخ سلمان نے بتایا کہ امریکیوں نے اس کے ہزاروں ڈالر ضبط کرلیے۔ جون میں خود انہیں بھی امریکیوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ پورے جلابیہ اور روایتی کفیہ میں ملبوس حسین علی شلال کا بیٹا بھی قید ہے مگر امریکی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے جب کہ شلال کے بقول صدام دور میں اگر کوئی گرفتار ہوتا تو ہر دس دن بعد ورثا کو اس سے ملنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ساٹھ ستر سالہ شیخ شلال کے بیٹے کو ڈیڑھ ماہ پہلے اس وقت گرفتار کرلیا گیا تھا جب وہ ایک امریکی فوجی مرکز کو ٹرک میں خوراک لے جارہا تھا۔

تکریت میں قصر صدام کے صدر دروازے کے ایک طرف آج بھی صدام حسین کا ایک بت نصب ہے، جب کہ دوسری طرف کے شکستہ چبوترے پر مڑے تڑے سریے ہی نظر آتے ہیں۔ ایک امریکی فوجی نے بتایا کہ صدام کا ایک مجسمہ آرمی انجینئروں نے مسمار کردیا تھا اور وہ کسی وقت بھی دوسرے کو بھی گرادیں گے۔ (کاش صدام حسین پورے ملک کی سرکاری عمارات محلات اور چوکوں میں اپنے بت نصب کرانے پر ملکی سرمایہ ضائع نہ کرتے کہ یہ فرعونوں اور غیر مسلموں کی روش ہے اور اسلام نے بت سازی اور بت پرستی سے منع کیا ہے) محل کے اندر سنگ مرمر سے آراستہ کمروں میں بیٹھے امریکی فوجی کمپیوٹروں سے کھیل رہے ہوتے ہیں اور اوپر سیٹلائٹ ڈشیں لگی ہیں۔ لوٹ سے بچے کھچے ایک فانوس کے نیچے لٹکتے ایک بینر پر لکھا ہے Steadfast and Loyal (ثابت قدم اور وفادار) یہ امریکی ڈویژن ٹاسک فورس آئرن ہارس کا ماٹو ہے، جو شمالی عراق میں صدام حسین کے ثابت قدم اور وفادار ساتھیوں کا شکار کرنے پر مامور ہے۔

......O......

''کرسچین سائنس مانیٹر'' میں این سکاٹ ٹائسن لکھتی ہیں: ''عراق پر قبضے کے بعد امریکی افواج جان کے خطرے، گرمی اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں اور ان کا مورال بعض صورتوں میں انتہائی نچلی سطح کو چھورہا ہے۔ بعض مایوس امریکی فوجی ارکان کانگرس کو خطوط لکھ کر درخواست کررہے ہیں کہ ان کی یونٹوں کو فوراً واپس بلایا جائے۔ عراق میں تعینات ایک فوجی نے ایک رکن کانگریس کے نام لکھا: ''اکثر سپاہی گھر واپس جانے کا ہوائی ٹکٹ خریدنے کے لیے اپنا سارا بینک اکاؤنٹ خالی کرنے کو تیار ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس فوجی نے اپنا نام مخفی رکھنے کی درخواست کی تھی۔

عراق میں مصروف بعض امریکی یونٹوں میں ریڈ کراس کے ذریعے ایسے خطوط کی آمد بڑھ گئی ہے جن میں سپاہیوں کے بارے میں لکھا ہوتا ہے کہ گھر میں ان کی ضرورت ہے اور روزانہ فوجی خواتین کو حمل کے باعث گھر بھیجنے کی مثالیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ظاہر ہے اخلاق باختہ امریکی فوجی عورتوں کو گھر واپسی یقینی بنانے کے لیے خود کو حاملہ کروانے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا۔ ادھر عراق میں امریکی تیسرے انفنٹری ڈویژن کے ایک افسر نے کہا: ''بیشتر سپاہیوں کے مورال کی سطح جو میں نے دیکھی انتہائی نیچے گرچکی ہے۔''

اس وقت عراق اور اس کے اردگرد 2 لاکھ 30 ہزار اتحادی فوجی تعینات ہیں۔ عراق کے اندر تقریباً ڈیڑھ لاکھ امریکی فوجی ہیں اور 12000 فوجی برطانیہ اور دیگر ممالک کے ہیں۔ پینٹاگان کے مطابق ستمبر تک مزید 20 ہزار غیر ملکی فوجیں ان سے آملیں گے۔ اتحادی فوجی عراق میں جنگ لڑنے آئے تھے مگر اب انہیں امن وامان قائم رکھنے اور تباہ شدہ ملک کی ''تعمیر نو'' کی ذمے داریاں ان حالات میں ادا کرنی پڑرہی ہیں جب کہ عراقی حریت پسندوں نے گوریلا جنگ چھیڑ رکھی [illegible] برا مسئلہ کل کمپنی کے کرنل رابرٹ نیپ کہتے ہیں: ''اصل جنگ بہت جلد ختم ہوگئی اور اب سب سے زیادہ دباؤ امن قائم رکھنے کا ہے۔ ہمارے فوجی درحقیقت امن قائم رکھنے کے لیے تربیت یافتہ نہیں اور فسادات پر قابو پانے کی انہیں مہارت نہیں۔ انہیں تو دشمن سے لڑنے اور اسے ہلاک کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔''

امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ نے ایک بار پھر صدر بش کی تقریر میں تباہ کن عراقی ہتھیاروں کے متعلق لگائے جانے والے غیر مصدقہ الزامات کی ذمے داری قبول کی ہے۔ ٹینٹ نے یہ ذمے داری امریکی سینیٹ کی خفیہ اداروں سے متعلق ایک کمیٹی کے سامنے پیشی کے دوران قبول کی۔ وہ اس کمیٹی کے تحت ہونے والی تحقیقات میں چار گھنٹے تک پیش رہے۔ انہوں نے کمیٹی کو بتایا کہ صدر بش نے ایک قریبی ساتھی عراق پر مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے الزامات لگانے پر تلے ہوئے تھے۔ بی بی سی کے مطابق سی آئی اے کے سربراہ کی جانب سے اس نئے اثبات کے باوجود کئی ڈیموکریٹ ارکان کا خیال ہے کہ ٹینٹ کو قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عراق پر لگائے گئے الزام کے ذمے دار خود صدر بش یا پھر ان کا کوئی ایسا مشیر ہے جو یہ جانتا ہے کہ یہ الزام غیر مصدقہ ہے۔

......O......

''جارج دوم کی دہشت گردی'' کے زیر عنوان برطانوی جریدے دی گارڈین کے جان اوفیرل نے 4 جولائی 2003ء کے شمارے میں لکھا: ''آج ریاستہائے متحدہ امریکا میں یوم آزادی ہے جب امریکی عوام برطانیہ سے آزادی کا جشن مناتے ہیں۔ جنگِ آزادی شروع ہونے کا آخری سبب پینل ایکٹ کا نفاذ تھا جو (برطانوی پارلیمنٹ میں) منظور کیا جاچکا تھا تاکہ دوسو برس بعد نوخیز طلبہ تاریخ کی کتابوں میں اسے پڑھ کر ہنسیں۔ اگر آج کی برطانوی حکومت خود کو امریکا کے ساتھ برسرپیکار پاتی تو اسے بہت الجھن کا سامنا کرنا پڑتا۔

امریکی اعلانِ آزادی پر ایک اور نظر ڈالنے سے آپ کو احساس ہوگا کہ وہ پہلے امریکی سیاستدان کس قدر دور اندیش تھے۔ انہوں نے قرار دیا تھا: ''ہم ان سچائیوں کو ظاہر وباہر سمجھتے ہیں کہ تمام انسان مساوی پیدا کیے گئے ہیں، یہ کہ

ان کے خالق نے انہیں بعض نا قابلِ واپسی حقوق عطا کیے ہیں، یہ کہ ان میں زندگی، آزادی اور خوشی کے حصول کے حقوق شامل ہیں۔''

اوہ...... اور ایک سو سے زیادہ ممالک میں امریکی اڈے قائم کرنے، امریکا نواز کٹھ پتلی حکومتیں مسلط کرنے کے لیے فاشسٹ سازشیں منظم کرنے، آزاد تجارت اگر امریکی مفادات کے حق میں نہ ہو تو اس کا گلا گھونٹنے اور دنیا میں ہر کہیں بچوں کو بارنی نامی عجیب و غریب ارغوانی ڈائنو سار دیکھنے پر مجبور کرنے کے ''پیدائشی حقوق'' کا ذکر کرنا امریکی آباء شاید بھول گئے!

او فیرل آگے لکھتا ہے: ''لیکن امریکی سامراج اس سامراج سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور لطیف ہے جس سے امریکی عوام نے دو صدیاں پہلے جان چھڑائی تھی، مثلاً انہوں نے بڑی سنگدلی اور منظم چالاکی سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ کر ہمارے سینماؤں پر قبضہ کرلیا ہے کہ وہ ہم سے بہتر فلمیں بنا سکتے ہیں!''

......o......

فلوجہ بغداد کے شمال مغرب میں دریائے فرات کے کنارے واقع ہے اور یہ مکمل طور پر سنی آبادی کا شہر ہے اور راسخ عقائد اور بہت سی مسجدوں کے لیے مشہور ہے۔ یہاں بڑے بڑے قبائل المحدیہ، الجمیلہ، ابوعیسیٰ اور الزوبہ ہیں۔ عراق کے سابق حکومت سے ان قبائل کا گہرا تعلق رہا لیکن سقوطِ بغداد کے بعد فلوجہ کے مذہبی اور قبائلی رہنماؤں نے مزاحمت بیکار جان کر امریکی فوجی انتظامیہ کو اپنا تعاون پیش کر دیا، تاہم جب غیر ملکی فوج شہر کے وسط میں آ براجی، اس کی بڑی شاہراہوں پر تسلط جمالیا، رہائشی علاقوں میں امریکی گشت کرنے لگے اور گھروں کے اوپر ان کے ہیلی کاپٹر نیچی پروازیں کرنے لگے تو فلوجہ والوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ کسی نے پیش آمدہ صورتحال کا تصور تک نہ کیا تھا۔ امریکیوں نے ایک اسکول کو اڈا بنا کر اس کی چھت سے شہریوں کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ جب لوگوں نے امریکی فوجیوں کو دوربینوں سے رہائشی علاقوں کا جائزہ لیتے دیکھا تو ان کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اب ان کے گھروں کا پردہ بھی اجنبی فوجیوں کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہا، جہاں خواتین اسلام کے حکم حجاب کی سختی سے پابندی کرتی ہیں۔ اس پر لوگوں نے اسکول کے سامنے پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرے کے دوران امریکیوں نے مشین گنوں سے فائرنگ کھول دیا اور 15 افراد شہید اور بہت سے زخمی کر دیئے۔ ان کی اس درندگی کے نشانات آج بھی وہاں موجود ہیں۔ سکول کے سامنے کے مکانات کی دیواریں آج بھی بھاری مشین گن کی گولیوں سے چھلنی دکھائی دیتی ہیں۔ گیراج میں کھڑی ایک کار کی باڈی کو درجنوں گولیوں نے چھید ڈالا۔ نہ صرف احتجاجی مظاہرے میں شریک افراد شہید اور زخمی ہوئے بلکہ گھروں کے اندر بیٹھے افراد بھی زد میں آ گئے۔ فرنگی صحافی ڈیوڈ باران کے

> **امریکی اعلانِ آزادی پر ایک اور نظر ڈالنے سے آپ کو احساس ہوگا کہ وہ پہلے امریکی سیاستدان کس قدر دوراندیش تھے۔ انہوں نے قرار دیا تھا: ''ہم ان سچائیوں کو ظاہر و باہر سمجھتے ہیں کہ تمام انسان مساوی پیدا کیے گئے ہیں، یہ کہ ان کے خالق نے انہیں بعض نا قابلِ واپسی حقوق عطا کیے ہیں، یہ کہ ان میں زندگی، آزادی اور خوشی کے حصول کے حقوق شامل ہیں۔''**

بقول امریکیوں کی یہ کارروائی خود حفاظتی نوعیت کی ہرگز نہ تھی کیونکہ اسکول کی دیواروں پر کوئی فائرنگ کا نشان نہیں، جس سے پتا چلتا ہے کہ مظاہرین میں سے کسی نے امریکیوں پر فائر نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد امریکی کسی عذر معذرت کے بغیر مزید فوج لے آئے۔ اس پر پھر مظاہرے ہوئے تو بدقماش امریکی فوجیوں نے دو تین اور عراقی شہید کر دیے۔ اس کے بعد مقامی شرفاء نے امریکیوں سے کہا کہ اسکول خالی کر دیں، نیز ائمہ مساجد کے ذریعے لوگوں سے پرامن رہنے کی اپیل کی۔ آخر کار امریکی فوج اسکول خالی کر گئے اور انہوں نے شہر سے کچھ فاصلے پر چھاؤنی ڈال لی۔ امریکی کمانڈر نے شہر سے جاتے ہوئے مقامی شیوخ کی مداخلت کا شکریہ ادا کیا۔

بلِ فلوجہ آج صدام حکومت کو یاد کرتے ہیں۔ ایک عراقی نے بتایا کہ صدام حکومت نے جنگ سے پہلے چھ ماہ کا راشن تقسیم کر دیا تھا، جب کہ امریکی دور میں خوراک کی فراہمی کا کوئی مناسب نظام نہیں۔ اس نے کہا: ''فی الحال ہم وہی کچھ کھا رہے ہیں جو صدام نے ہمیں دیا تھا اور اب منتظر ہیں کہ امریکی ہمیں کیا دیتے ہیں۔''

......o......

نیوز ویک کے بقول صدام کا ہوا وائٹ ہاؤس کی نیندیں حرام کیے ہوئے ہے۔ عراق میں ویت نام کی سی گوریلا جنگ امریکیوں کے حواس کو مختل کیے دے رہی ہے۔ گزشتہ ہفتے کانفرس کی ایک کمیٹی کے اجلاس میں امریکی سنٹرل کمان کی ریٹائرڈ سربراہ ٹومی فرینکس نے کہا کہ وہ عراق کے حوالے سے گوریلا جنگ کی اصطلاح استعمال نہیں کریں گے، کیونکہ عراقی حملہ آوروں کو وسیع عوامی حمایت حاصل ہے۔'' اس پر کیلیفورنیا کی کانگرس وومین لورینا سانکیز نے ٹومی فرینکس کی سرزنش کی کہ تم لفظوں کے کھیل سے ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد سانکیز نے نیوز ویک سے باتیں کرتے ہوئے کہا ''ان کی لفظی بازی گری نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ جیسے ہی آپ گوریلا جنگ کی باتیں کرنے لگیں لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ ملک دلدل میں پھنس گیا۔ ویت نام میں یہی کچھ تو ہوتا رہا تھا۔''

اس کے بعد نیوز ویک لکھتا ہے: ''درحقیقت عراق ویت نام (75-1959) نہیں جہاں 57 ہزار امریکی مارے گئے تھے۔ اس ابتدائی مرحلے میں عراق کی ویت نام سے کوئی نسبت نہیں۔ عراق کا موازنہ زیادہ سے زیادہ چھوٹی اور بھولی بسری استعماری دور کی جنگوں سے کیا جاسکتا ہے۔''

اس کے بعد نیوز ویک نے ان چھوٹی جنگوں کی مثالیں یوں دی ہیں:

ہیٹی (20-1915)......146 ہلاک

ڈومنیکن ری پبلک (1916-22)......144 ہلاک

نکاراگوا (32-1927ء)......136 ہلاک

فلپائن (1902-1899ء)......4273 ہلاک

نیوز ویک کا مضمون نگار لکھتا ہے کہ ''برطانوی ایک

عشق سے سینہ مبارک پرسوز تھا.......... جو اہل عقل کے لئے ناقابل فہم سہی مگر اہل دل کے لئے قابل فہم ہے۔

یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ ''اپنے سینے'' کے عبث دھوتا ہے کیا

حضرت خواجہؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا حافظ سید احمد سریکوٹیؒ آپ کے روحانی مدارج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اپنے کمالات کو چھپاتے تھے، اس بارے میں اللہ پاک نے آپ کو ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ آپ کا ورد، آپ کا عشق، آپ کا عرفان، آپ کے کمالات ظاہری و باطنی من کل الوجوہ پردہ خفا میں رہے، اپنی زبان مبارک سے کبھی نہیں فرمایا کہ میں کچھ جانتا ہوں.......... اولیاء اللہ کی عادت ہوتی ہے کہ احیاناً جذبے میں آکر کچھ نہ کچھ زبان سے کہتے ہیں، دعا یا بددعا کر دیتے ہیں جس سے ان کے جذبات و کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں اور مخلوق ان کی معتقد ہو جاتی ہے مگر حضور پرنور ﷺ اپنے افعال، اپنے صفات، اپنے جذبات اور اپنے تمام کمالات کے اظہار و عدم اظہار پر قدرت تامہ رکھتے تھے۔''

ایک مکتوب گرامی میں حضرت خواجہؒ کے علمی مقامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عصر حاضر کی پیران طریقت میں، ہمارے اور آپ کے ہادی و رہبر قدس اللہ سرہ العزیز بے مثل و بے نظیر ہیں، حضور کے کمالات، علم ظاہری و باطنی کا آئینہ حضور کی کتاب مجموعہ صلوٰۃ الرسول ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب، ازل و ابد، دنیا و آخرت، دوزخ و جنت، کمالات انسانی و ملکی، کردار و اعمال جنتی و عزازیلی، علوم اولین و آخرین، لوح محفوظ، عرش کرسی، مکنونات ارضی و عجائبات سماوی وغیرہ کل موجودات پر آپ کا علم ایسا حاوی ہے جیسا انسان اپنی آنکھوں سے اپنی ہتھیلی غور سے ملاحظہ کرے۔''

حضرت حافظ احمد سریکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ کے تصرفات باطنیہ کا یہ حال تھا کہ جس شخص میں جو کیفیت پیدا کرنا چاہتے ادنیٰ توجہ سے پیدا کر دیتے.......... انسان تو انسان، حیوانات بلکہ نباتات پر آپ کا تصرف تھا.......... اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل توجہ ہے، حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

''گزشتہ سال 1923ء، جب میں وطن کو گیا، حضور پرنور کے وصال کو ایک مہینہ ہو چکا تھا، دربار گھر بار میں مریدین و مخلصین جمع تھے، ایک شخص میرے قریب رو رہا تھا، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا، ''تم کہاں سے آئے ہو؟'' میں نے کہا ''رنگون سے آیا ہوں'' وہ اشارہ کرکے فرمانے لگے ''اس درخت کو جب دیکھتا ہوں، مجھے رونا آجاتا ہے''

واقعہ یہ ہے کہ جو صاحب اشکبار تھے، ان پر نیند کا کافی غلبہ رہتا تھا، ایک روز حضرت خواجہؒ نے ان کو چند تحائف دیئے اور فرمایا حرمین شریفین روانہ ہو اور وہاں فلاں فلاں صاحب کو یہ تحفے دے آؤ.......... شخص مذکور یہ ہدایت سن کر پریشان ہوئے اور اس اندیشہ نے ستایا کہ کہیں نیند کے غلبے کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش نہ آجائے، وہ کارواں سے بچھڑ جائیں اور یہ ذمہ داری پوری نہ کر سکیں.......... خیر، سفر کی تیاری کی، حضرت خواجہؒ مشایعت کے لئے تھوڑی دور تشریف لائے اور شہتوت کے اس درخت کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اتنا فرمانا تھا کہ نیند نے پہلے کی طرح غلبہ کیا اور جی بھر کے سوئے.......... اللہ اکبر! غیر ذوی العقول نباتات اور غیر محسوسات میں نیند پر بھی آپ کے تصرفات تھے.......... انہیں تصرفات باطنیہ کی وجہ سے ہزاروں میل دور رنگون اور بنگال میں غائبانہ بیعت ہونے والے دیکھتے دیکھتے نیکوکار، تہجد گزار اور اولیاء کاملین بن گئے۔

''اے توت اس شخص کی نیند کو اپنے پاس امانت رکھ لو''

خدا کی شان پورے سفر میں نیند غالب نہ ہوئی، معمولی اونگھ آجاتی اور بدن ہلکا ہو جاتا، سارے رستہ یہی کیفیت رہی، خیر و عافیت سے حج کیا اور حرمین شریفین میں حاضری دے کر تحائف متعلقہ حضرات کی خدمت میں پیش کیے.......... جب واپس چھوہر شریف پہنچے تو حضرت خواجہ نے دریافت فرمایا۔

''تم نے اپنی امانت لے لی؟''

اتنا فرمانا تھا کہ نیند نے پہلے کی طرح غلبہ کیا اور جی بھر کے سوئے.......... اللہ اکبر! غیر ذوی العقول نباتات اور غیر محسوسات میں نیند پر بھی آپ کے تصرفات تھے.......... انہیں تصرفات باطنیہ کی وجہ سے ہزاروں میل دور رنگون اور بنگال میں غائبانہ بیعت ہونے والے دیکھتے دیکھتے نیکوکار، تہجد گزار اور اولیاء کاملین بن گئے۔

حضرت حافظ سید احمد سریکوٹیؒ 1920ء میں تبلیغ اسلام اور اشاعت سلسلہ قادریہ رحمانیہ کے لئے رنگون (برما) تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کو اجازت و خلافت نہیں ملی تھی.......... آپ نے وہاں حضور خواجہؒ کے محامد و محاسن بیان فرمائے، لوگوں میں بیعت کا شوق پیدا ہوا، حضرت خواجہؒ نے اپنا رومال بھیج دیا اور سب لوگ اس پر بیعت ہو گئے، سب کی دنیا بدل گئی۔ سبحان اللہ

بخلوت اند و کمند بہ مہر و ماہ پیچند
بخلوت اندوز مان و مکان در آغوش اند

اس اجمال کی تفصیل خود حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کی زبانی سنیئے

''میں جب رنگون آیا اور یہاں کے بعض لوگوں سے محبت ہوئی تو کبھی کبھی حضور پرنور کے کمالات کا تذکرہ ان کے سامنے کر لیا کرتا، رفتہ رفتہ یہاں کے لوگوں کو حضور پرنور کے ساتھ غائبانہ محبت ہو گئی، یہاں تک کہ بعض نے بیعت کی خواہش ظاہر کی، میں نے آپ کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھا کہ یہاں کے لوگ آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں مگر دور دراز ملک کا معاملہ ہے اگر بذریعہ خط ان کو بیعت فرمایا جائے تو۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

''کچھ ایام بعد حضور نے بذریعہ ایک صحیفہ کرمہ مطہرہ مجھے تسلی فرمائی کہ گھبراؤ مت، میں ایک ''رومال بیعت'' عنقریب تمہاری طرف روانہ کروں گا، جو شخص تہجد کی نماز پڑھ کر اسی مصلے پر روبرو قبلہ ہو کر رومال پر ہاتھ رکھ دے اور خدا اور رسول کو اپنے پاس حاضر جان کر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلے تو اس کی بیعت اللہ پاک منظور فرمائے گا''

چنانچہ حضور پرنورؒ نے ململ سفید کا ایک رومال میرے نام پر ارسال فرمایا، جس وقت رومال مبارک پہنچا لوگ حضور سے مرید ہونے لگے، رفتہ رفتہ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہونے لگا کہ پیر صاحب تو ملک پنجاب ضلع ہزارہ مقام چھوہر شریف میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بذریعہ رومال کے رنگون میں بیعت کرتے ہیں، تعجب کی بات ہے۔

مقام حیرت ہے کہ شراب خوار، بدکار، فاسق، فاجر جب رومال پر ہاتھ رکھ کر مرید ہو جاتا ہے تو نماز گزار، نیکوکار، تہجد گزار بن جاتا ہے اور اس کے چہرے پر نور ایمان کی ملاحت و خوبصورتی دیکھ کر اوروں کو رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ مجلس پاک میں حضور شاہنشاہ چھورویؒ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا

قرب جانی را بعد مکانی نیست

میں حیران ہوں کہ یہ بے ربط جملہ حضور والا نے کیوں فرمایا؟ لیکن رنگون میں آ کر اس مختصر جملے کے مطالب و معانی اور "قرب جانی" کی شرح اور "بعد مکانی" ارضی کا انقطاع کلی یہ ایسے امور ہیں کہ بحر محیط کو کوزے میں آپ نے بند کر دیا ہے۔

حکومت پاکستان کے سابق مرکزی وزیر تعلیم جناب فضل القادر چوہدری مرحوم کے بزرگ بھی حضرت خواجہؒ کے رومال پر بیعت ہوئے تھے۔ چنانچہ چوہدری صاحب مرحوم کہتے ہیں۔

"ہمارے بزرگوں کی بیعت حضرت غوث الزماں خواجہ محمد عبدالرحمٰن علوی قادری چھوروی کے رومال پر رنگون ہوئی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد باجیؒ کے خلیفہ اعظم الحاج حافظ سعید احمد سری کوٹی کے ہاتھوں پر بیعت شروع ہوئی...... بڑے سے بڑا سیاسی لیڈر بھی ہمارے اس رشتے کو نہیں توڑ سکتا، جب تک یہ روحانی رشتے موجود ہیں، مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے جدا نہیں کر سکتا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اب ظاہری علیحدگی کے بوجود، سب کے دل ایک ہی سینے میں دھڑکتے ہیں جو سراسر سابق مشرقی پاکستانی بھائیوں کی فراخ حوصلگی، دریا دلی اور محبت و خلوص کا جیتا جاگتا ثبوت ہے...... کوئی ہے جو اس رشتہ محبت کو قطع کر سکے؟...... یہ رشتہ محبت، دست قدرت کے اختیار و اقتدار میں ہے...... یہاں کسی سیاسی لیڈر کا گزر نہیں۔

بہریدن نرود ذوق تو از اندیشہ ما
سالہا پنجہ بہم دادہ رگ و ریشہ ما

حضرت خواجہؒ کا حلقہ مریدین و مخلصین بہت وسیع ہے، آپ کی ذات گرامی سے نہ صرف ضلع ہزارہ، بلکہ کوہستان، کشمیر، افغانستان، پاکستان، ہندوستان، برما اور بنگال وغیرہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کو بہت فروغ حاصل ہوا، ایک اندازے کے مطابق صرف رنگون اور بنگال میں آپ کے سلسلے کے تین لاکھ مریدین موجود ہیں اور خدمت دین میں مصروف ہیں حضرت سید احمد سریکوٹیؒ اور مندرجہ ذیل دینی ادارے مدارس انہیں حضرات کی کوششوں سے صاجزادہ محمد طیب شاہ علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں قائم ہوئے۔

(1) انجمن شورائے رحمانیہ 1925ء (رنگون، برما)

(2) جامعہ احمدیہ سنیہ عالیہ 1953ء (چاٹگام، بنگلہ دیش)

(3) جامعہ قادریہ طیبیہ عالیہ 1968ء (ڈھاکہ، بنگلہ دیش)

(4) جامعہ طیبیہ وودودیہ اسلامیہ 1976ء (چندر گھونہ، بنگلہ دیش)

(5) مدرسہ طیبیہ اسلامیہ سنیہ 1975ء (حوالی چاٹگام، بنگلہ دیش)

(6) مدرسہ طیبیہ حافظیہ (کالورگھاٹ، چاندگاؤں، بنگلہ دیش)

یہ مدارس عربیہ امام احمد رضا محدث بریلویؒ کے مسلک کے فروغ و اشاعت کے لئے قائم کئے گئے۔ امام احمد رضا محدث بریلویؒ کا مسلک سلف صالحین اہل سنت و جماعت ہی کا مسلک ہے، کوئی دوسرا مسلک نہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰنؒ عبادت و معاملات، اخلاق میں اتباع نبویﷺ کو ہمہ وقت پیش نظر رکھتے تھے محبت کا حال اتباع سے معلوم ہوتا ہے...... قول سے نہیں، عمل سے محبت چمکتی اور قول میں بھی اسی وقت تاثیر پیدا ہوتی ہے جب زندگی عمل سے مزین ہوتی ہے...... حضرت خواجہؒ نے قدم قدم پر اتباع سنت کا خیال رکھا اور سنت نبویﷺ کے چراغ روشن کئے...... آپ کی حیات مبارکہ میں بہت سے حالات و واقعات ملتے ہیں جو اس پہلو کو روشن کرتے ہیں...... یہاں جستہ جستہ حالات و واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت حافظ سید احمد سریکوٹیؒ فرماتے ہیں۔

(1) آپ کے اخلاق، نمونہ اخلاق رسول اللہﷺ تھے، نشست و برخاست، اکل و شرب، لباس وغیرہ تمام امور میں پوری اتباع سنت ملحوظ رہتی، حدیث کی کتابیں زیر مطالعہ ہوتیں، جو جو کام حضور پر نورﷺ نے کئے ہیں وہ تمام آپ نے ادا کئے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کتاب دیکھ رہے تھے کہ حضور پر نورﷺ نے مسجد کی چٹائی سی کر درست فرمائی ہے، آپ بھی کتاب چھوڑ کر اپنی مسجد کی چٹائی سی رہے تھے۔

(2) علماء و فقراء اور اپنے مہمانوں کی خدمت اپنے دست مبارک سے کیا کرتے تھے، جب گھر میں روٹی تیار ہو جاتی، مسجد سے گھر میں جا کر مہمانوں کے لئے ایک دست مبارک میں ترکاری کا برتن اور دوسرے میں روٹی اٹھا کر لے آتے اور جو ترکاری روٹی مسافر کھاتے، خود بھی تناول فرماتے، رات کو بچی ہوئی روٹی اگر مل جاتی تو نہایت خوشی کے ساتھ تناول فرما لیتے اور تازہ روٹی کی طرف التفات نہ فرماتے اور جو کچھ تیار ہوتا مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے۔ جیسا کہ اس وقت کے پیر لوگ اپنے لنگر کو نہایت دھوم دھام اور تکلف کے ساتھ دیا کرتے ہیں، حضور پر نور کے یہاں ان باتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا، شہرت طلبی سے آپ بیزار تھے، الفقر فخری کا پورا پورا نمونہ تھے۔

(3) آپ متواضع تھے، نہایت خلیق [illegible]م اور نہایت خلیق در جھکے بردبار خاکسار تھے، محب و جلیس فقراء تھے علماء و فقراء جب آپ کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے، آپ کی نشست گاہ میں کوئی فرش و فروش کا سامان نہ تھا، نہ آپ کی ملاقات کے لئے کوئی وقت مقرر تھا، نہ آپ کے یہاں کوئی پر تکلف مکان تھا، اکثر آپ کا قیام مسجد میں ہوتا، ضرورت کے وقت مکان میں بھی تشریف لے جاتے، خلق اللہ کے ہجوم سے یا خلاف طبع کوئی بات ہو جاتی، خفا نہ ہوتے۔

مندرجہ بالا حالات کے علاوہ مندرجہ ذیل واقعات و حالات بھی قابل توجہ اور لائق تقلید ہیں۔

(4) سرکار دو عالمﷺ مسجد نبوی کی تعمیر میں بنفس نفیس شریک ہوئے، حضرت خواجہؒ بھی مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ کی اولین تعمیر میں شریک ہوئے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(5) سرکار دو عالمﷺ نے ایسا لباس ناپسند فرمایا جس کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں اٹھنے لگیں، آپ نے ایسا لباس نہیں پہنا، ایک مرتبہ سبز رنگ کا تہبند باندھا اور بازار تشریف لے گئے، کسی نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہ سبز تہبند والا پیر جا رہا ہے" اسی دن سے آپ نے ایسا تہبند زیب تن نہیں فرمایا۔

(6) ایک ممتاز عالم مہمان ہوئے، نماز کے وقت احتراماً ان کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا، مگر نماز کے بعد حضرت خواجہؒ نے اپنی نماز لوٹائی، جب کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ مولوی صاحب نے خلاف سنت گردن پر دونوں طرف حجامت بنوائی تھی، جب اس پر نظر پڑی تو کراہت محسوس ہوئی اس لئے نماز لوٹائی۔

(7) اتباع و سنت کا یہ عالم تھا کہ اپنا سارا وقت دین کے لئے وقف کر دیا تھا اور ضروریات زندگی کے خیال سے بے نیاز ہو گئے تھے، فقر غیور کا نمونہ کامل تھے، جب عارف کامل پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے روپے پیسے کے لئے وظیفہ بتانا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا۔

"پیر صاحب خدا سے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ پیر خیال کر کے آئیں اور اندر پیسوں کے لئے وظیفہ پڑھا

جاوے۔"

(8) سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی گدی نشینی کا تکلف نہیں فرمایا، زمین پر یا چٹائی پر رونق افروز رہے۔ حضرت خواجہؒ کا بھی یہی حال تھا اور جب وصال کے وقت دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد آپ کی گدی پر کون بیٹھے گا تو خلاف معمول برہمی سے جواب دیا۔

"گدی پر تو سب بیٹھتے ہیں ہم چٹائی پر بیٹھنے والے ہیں۔"

اتباع سنت کے ذوق وشوق میں گدی نشینی جیسے روایتی عمل کو ترک کر دینا بلکہ رد کر دینا کوئی معمولی بات نہیں بہت بڑی بات ہے........آج سجادہ نشینوں کی طویل فہرست میں شاذ و نادر ہی ہوں گے جو اتباع سنت نبوی ﷺ میں فرش و فروش کے بجائے چٹائی پر بیٹھتے ہوں گے۔

سنت نبوی ﷺ کا یہ چمکتا دمکتا آفتاب 80 برس آسمان دنیا پر جلوہ گر رہ کر یکم ذی الحجہ 1342ء/1924ء، بروز شنبہ بعد مغرب چھور شریف کے افق پر غروب ہو گیا اور نئی آب و تاب کے ساتھ عالم برزخ میں طلوع ہوا

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

عرس مبارک چھور شریف (ہری پور ہزارہ پاکستان) میں 30 ذیقعدہ اور یکم ذی الحجہ کو ہر سال ہوتا ہے اور دور و نزدیک اور اکناف و اطراف کے مریدین و محبین جوق در جوق شریک ہو کر مستفیض ہوتے ہیں........مزار اقدس زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

حضرت خواجہؒ کی اولاد امجاد میں چار صاحب زادے ہوئے۔

(1) حضرت مولانا صاحبزادہ محمود الرحمن صاحبؒ
(2) حضرت مولانا محمد فضل سبحان صاحبؒ .
(3) حضرت مولانا فضل الرحمنؒ

خواجہ عبدالرحمنؒ کے وصال کے بعد صاحبزادہ محمود الرحمنؒ سجادہ نشین ہوئے پھر آپ کے صاحبزادے صاحبزادہ طیب الرحمنؒ سجادہ نشین ہوئے، آج کل صاحبزادہ احمد الرحمن مدظلہ العالی سجادہ نشین ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ رشد و ہدایت کے اس مرکز کو آباد رکھے اور علمی و روحانی فیض جاری و ساری رہے۔ آمین۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی معلوم ہو سکے۔

(1) حضرت مولانا حافظ سید احمد صاحبؒ (متوفی 1380ھ/1961ء) سری کوٹ (ہزارہ)

(2) حضرت سید امان اللہ شاہ ترمذی قادریؒ (متوفی 1363ھ/1944ء) گنجیاں شریف (ہزارہ)

(3) حضرت خواجہ سید حاکم صاحب قادریؒ (متوفی 1374ھ/1957ء) نواں شہر (ہزارہ)

(4) علامہ ابو نعیم سید عبدالقاضی شاہ محدث ہزارویؒ محبوب آباد (ہزارہ)

(5) صاحب زادہ مولانا محمد صالحؒ (متوفی 1347ھ/1928ء) سری کوٹ (ہزارہ)

صاحبزادہ مولانا محمد صالح علیہ الرحمہ، مولانا حافظ سید احمد سری کوٹیؒ کے جواں سال صاحبزادے تھے، ان کی خلافت کا ذکر حضرت سید صاحب نے ایک مکتوب گرامی میں اس طرح فرمایا ہے۔

"حضور پرنور جب کسی کو خلیفہ کرتے، اس کو ٹوپی عنایت فرماتے......... حاجی عبدالرجب جب رنگون سے چھور شریف حضور کی قدم بوسی کے لئے گئے تو حضور پرنور نے دو ٹوپیاں حاجی صاحب کو دیں، ایک محمد صالح کے لئے اور دوسری ٹوپی میرے لئے۔"

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں ماسوائے مجموعہ صلوٰۃ الرسول کے ان تصانیف کے متعلق زیادہ تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

(1) مجموعہ صلوٰۃ الرسول ﷺ
(2) شرح ابن ماجہ شریف (قلمی)
(3) شرح ترمذی شریف (قلمی)
(4) عطاء الرحمن فی اسلام آباد سید الانام (قلمی)
(5) انعام الرحمن فی تصریحات القرآن (قلمی)
(6) لغات الحروف (قلمی)
(7) شرح اسماء حسنہ (قلمی)
(8) سیاف شرح چہل کاف (مطبوعہ منظوم بزبان پنجاب)
(9) درود شریف (مطبوعہ، منظوم بزبان پنجابی)

تصانیف کے علاوہ حضرت خواجہؒ کے ملفوظات شریف بھی ہیں مگر یہ جمع نہیں کئے گئے، اگر جمع کئے جائیں تو اسرار و معارف کا ایک انمول خزانہ مل جائے۔ یہاں چند ملفوظات شریف پیش کئے جاتے ہیں جن سے حضرت خواجہؒ کی روحانی اور فکری رفعت و بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ملفوظات آپ کے خلیفہ اعظم حضرت حافظ سید احمد سریکوٹیؒ نے نقل فرمائے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

(1) میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مرید جب خواب میں اپنے مرشد کو اس طور پر دیکھے کہ وہ مجھے کچھ ہدایت فرما رہے ہیں تو پیر کو بھی اس خواب کی خبر ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟

حضور پرنور نے فرمایا

"ہر پیر کو نہیں ہوتی، بلکہ اس پیر کو خبر ہوتی ہے جس کو اللہ پاک علوم اولین وآخرین عطا کردیتا ہو"

(2) ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ مشہور ہے کہ اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارھم ہمیشہ بیت اللہ میں نماز ادا کرتے ہیں، یہ بات صحیح ہے؟

آپ نے فرمایا

"جسمانی حاضری کمال ہے نہ کہ روحانی حضور"

(3) میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ ولی کا آخری درجہ تخلق باخلاق اللہ ہے آپ نے فرمایا۔

"نہیں، ولی کا آخری مقام قدرت کاملہ ہے"

سبحان اللہ! کیا عجیب نکتہ ارشاد فرمایا اور طریقت کو کیسی رفعت بخشی، فی الحقیقت

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

وہ فقیر ہی کیا جو بے بس و مجبور ہو اس کے لہو کا ایک ایک قطرہ بحر ناپید کنار ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا!

حضرت خواجہؒ نے صرف "قدرت" نہیں فرمایا بلکہ "قدرت کاملہ" فرمایا یعنی اس کا اختیار مولیٰ کا اختیار بن جائے.........وہی ہو جو وہ چاہے

مزا تو جب ہے کہ اے آہ نارسا تجھ سے
وہ خود کہیں کہ بتا تیری آرزو کیا ہے

حضرت خواجہؒ نے اپنی حیات طیبہ میں نہ معلوم کتنے عظیم کام کئے مگر جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں وہ تین ہیں۔

(1) حضرت حافظ سید احمد سری کوٹیؒ کی اس انداز سے تربیت فرمائی کہ ان کی ذات گرامی سے لاکھوں انسان فیضیاب ہوئے۔

(2) عربی مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ اپنے دست مبارک سے قائم کیا جو آج تک علوم اسلامیہ کا ایک عظیم سرچشمہ ہے اور اس کا فیض دور و نزدیک جاری و ساری ہے۔

(3) مجموعہ صلوٰۃ الرسول ﷺ کو مرتب فرمایا اور عشاق رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کے سامنے عشق و محبت کا ایک حیرت کدہ پیش کیا، جس کی نظر ہمارے علم میں نہیں۔

ضدی نوجوان

ایک نوجوان آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ اے کلیم اللہ مجھ کو جانوروں کی بولیاں سکھا دیجئے تاکہ میں ان کی آپس کی گفتگو سے نطق حاصل کروں، جب میں دیکھتا ہوں کہ بنی آدم کی ساری بولیوں کا محور تو روٹی پانی ہوا اور لالچ ہے تو مجھے خیال آتا ہے کہ حیوانات کی سوچ بچار کا انداز یقیناً کچھ اور ہوگا اس لئے میں ان کی زبان سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا! کہ اس ضد کو چھوڑ دے کیونکہ اس میں کئی خطرات ہیں تو اس خواہش کے بجائے اللہ سے عبرت اور بیداری مانگ۔ حضرت موسیٰ کی نصیحت پر وہ شخص رنجیدہ ہوگیا اور اپنی بات پر ضد کرنے لگا اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی کو جس بات سے منع کیا جائے اس کی طرف دلچسپی بڑھتی ہے کہنے لگا اے کلیم اللہ جب سے اللہ نے آپ کے سینے کو روشن اور کشادہ بنایا ہر شخص نے آپ سے اپنی ضرورت کے مطابق فیض حاصل کیا یہ بات آپ کی رحم دلی اور محبت سے دور ہے کہ مجھ کو اپنے مقصد کو حاصل کرنے سے محروم کر دیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور نیک بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ خود بات چیت فرماتے ہیں اور وہ آپ کی بات مانتا ہے اگر آپ نے میری یہ تمنا پوری نہیں کی تو مجھے سخت صدمہ اور مایوسی ہوگی۔ حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ الٰہی معلوم ہوتا ہے اس شخص پر شیطان سوار ہوگیا ہے اگر میں اس کی خواہش پوری کر دوں تو اس کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہے اور اگر نہ سکھاؤں تو مایوس اور بددل ہو جائے گا۔ حکم خدا ہوا کہ اے موسیٰ تم اس کو جانوروں کی بولیاں سکھا دو۔ ہم کریم ہیں اور کسی کی دعا کو واپس نہیں کرتے حضرت موسیٰ نے عرض کی اے پروردگار! یہ شخص پچھتائے گا اور جنون میں اپنے ہاتھ چبائے گا اور کپڑے پھاڑ ڈالے گا۔ یہ نہیں جانتا کہ اس کے لئے کون سی چیز بہتر ہے بارگاہ الٰہی سے پھر حکم ہوا! اے موسیٰ اس شخص کی تمنا پوری کردے تاکہ اس کے دل میں حسرت نہ رہے۔ حضرت موسیٰ نے اب اس نوجوان کو بڑی نرمی اور محبت سے سمجھایا کہ بھائی میں تیری مراد پوری کردوں گا لیکن اچھی طرح سمجھ لے کہ تو شیطان کے بہکاوے میں آگیا ہے اور جانوروں کی بولیاں سیکھنے سے تجھ کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا ڈر ہے تو اپنے حال پر رحم کر اور اس ضد سے باز آجا ایسا دردسر تو کیوں خواہ مخواہ مول لیتا ہے جو تجھ کو سو مصیبتوں میں پھنسا دے اب اس نوجوان نے کہا! اچھا سارے جانوروں کی زبان نہ سہی صرف کتے کی بولی جو میرے دروازے پر رہتا ہے اور مرغ کی بولی جو میرے گھر میں پلا ہے، سکھا دیجئے فی الحال یہی کافی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا اب زیادہ بحث نہ کر جا آج سے ان دونوں جانوروں کی بولی پر تجھ کو قدرت حاصل ہوگئی۔ وہ شخص یہ سن کر خوشی خوشی اپنے گھر لوٹا۔

صبح ہوئی تو وہ آزمائش کے لئے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ خادمہ نے دستر خوان جھاڑا تو اس میں سے رات کا بچا ہوا روٹی کا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔ مرغ وہ ٹکڑا فوراً اچک کر لے گیا۔ کتے نے اس سے کہا تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے دوست تو تو گندم کا دانہ چگ کر اپنا پیٹ بھر سکتا ہے اور میں دانے کے بجائے روٹی کے ٹکڑے سے اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتا ہوں لیکن تو نے وہ بھی مجھ سے چھین لیا ہے مرغ نے کہا "میاں صبر کرو اور غم نہ کھاؤ خدا تجھ کو بھی اس کا بدلہ دے دے گا، کل ہمارے مالک کا گھوڑا مر جائے گا تم پیٹ بھر کر کھانا گھوڑے کا مرنا کتوں کی عید ہے کیونکہ اس طرح ان کو بغیر کسی کوشش اور محنت کے زیادہ مقدار میں گوشت میسر آتا ہے۔ نوجوان نے دونوں کی بات سنی تو فوراً گھوڑا کھولا اور منڈی میں جا کر بیچ دیا دوسرے دن دستر خوان جھڑا تو مرغ پھر روٹی کا ٹکڑا لے گیا کتے نے جھنجھلا کر کہا! اے فریبی مرغ! یہ جھوٹ کب تک چلے گا تو سخت ظالم اور جھوٹا ہے تو نے کل کہا تھا کہ مالک کا گھوڑا مر جائے گا لیکن مجھ کو تو وہ مرا ہوا گھوڑا کہیں نظر نہیں آیا ارے اندھے نجومی تو سچائی سے محروم ہے۔

باخبر مرغ نے جواب دیا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ مر گیا۔ مالک نے نقصان سے بچنے کے لئے گھوڑا بیچ ڈالا اور اپنا نقصان دوسروں پر ڈال دیا لیکن کل اس کا اونٹ مر جائے گا اور کتے خوب مزے اڑائیں گے۔ یہ سن کر مالک نے فوراً ہی اونٹ بھی بیچ دیا اور اس طرح اس کے مرنے کے غم اور نقصان سے اپنی جان بچا لی۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو کتے نے مرغ سے کہا! ارے کمبخت تو تو جھوٹوں کا بادشاہ ہے آخر تو کب تک مجھے دھوکہ دیتا رہے گا مرغ نے کہا کہ بھائی کہ بھائی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مالک نے عجلت کے ساتھ اونٹ کو بیچ ڈالا اور نقصان سے بچ گیا لیکن کل اس کا غلام مر جائے گا اور اس کے رشتے دار فقیروں کو روٹیاں کھلائیں گے اور کتوں کو بھی ڈالیں گے۔ مالک نے یہ سنا تو اس نے اسی وقت غلام کو بھی بیچ ڈالا اور نقصان سے بچ گیا۔ وہ اپنی ہوشیاری پر بے حد خوش تھا اور بار بار خدا کا شکر کرتا تھا کہ میں تین نقصانات سے بچ گیا ہوں جب سے میں نے مرغ اور کتے کی زبان سیکھی ہے ت اور نقصان کا رخ پھیر دیا۔ چوتھے دن اس محروم کتے نے مرغ سے کہا! کہ اے جھوٹے مرغ تیری پیشنگوئیاں کیا ہوئیں۔ یہ تیری مکاری اور جھوٹ کب تک چلے گا؟ مرغ نے کہا! توبہ توبہ یہ ناممکن ہے کہ میں یا کوئی اور مرغ جھوٹ بولے ہماری قوم تو سچائی میں مشہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ غلام خریدار کے پاس جا کر مر گیا اور خریدار کا نقصان ہوا مالک نے اپنا مال تو بچالیا۔ لیکن سمجھ لو اس نے اپنا خون کر لیا۔ ایک نقصان سو نقصانوں کو رفع کرتا ہے۔ جسم اور مال کا نقصان جان کا صدقہ بن جاتا ہے ان کی موت اس نادان کی جان کا صدقہ تھا اور وہ مال کے نقصان سے تو بچ گیا لیکن اپنی جان گنوا بیٹھا۔ مالک مرغ کی بات غور سے سن رہا تھا جب اس نے اپنی موت کی پیشن گوئی سنی تو مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا گرتا پڑتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے عرض کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام میری مدد فرمائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! جا اب اپنے آپ کو بیچ ڈال اور نقصان سے بچ جا تجھ کو ایسی خرید و فروخت کا بڑا تجربہ ہو گیا ہے دوسرے لوگ مریں یا جئیں تو اپنی تجوری کو مال و زر سے بھر۔ جو کچھ تجھ کو اب نظر آیا ہے مجھ کو پہلے ہی اس کا علم تھا آنے والی مصیبت کو عقل مند پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں لیکن احمق اس کو آخر میں دیکھتا ہے۔

نوجوان نے پھر رو کر کہا! اے کلیم اللہ! مجھ کو دھتکار کر مایوس نہ کیجئے میں نالائق اور احمق ہی تو تھا جو مجھ سے ایسی لغزش ہوئی۔ آپ میری بری حرکت کا اچھا بدلہ دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے! اب تیر کمان سے نکل چکا ہے اور اس کا لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔ ہاں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ مرتے وقت تجھے ایمان نصیب کرے۔ اگر تو ایمان ساتھ لیجائے تو حقیقت میں زندہ رہے گا۔ نوجوان نے گڑگڑا کر کہا تو پھر ایسی ہی مہربانی کر دیجئے میں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی جڑ کاٹی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! کہ یہ دعا میں ضرور کروں گا۔ یہ سن کر اس شخص کی طبیعت اچانک بگڑ گئی اور وہ قے کرنے لگا یہ قے ہیضے کی نہ تھی بلکہ موت کی تھی چار آدمی اس کو چارپائی پر ڈال کر گھر لے گئے جہاں اس نے جان دیدی۔ دوسرے دن صبح کو حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی اے مالک دو جہاں! اس کو ایمان سے محروم نہ فرما تو اپنی بادشاہی کے صدقے میں اس کو بخش دے اس نے یہ گستاخیاں جان بوجھ کر کی ہیں میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ تو اس علم کے سیکھنے کا اہل نہیں ہے لیکن وہ سمجھا میں ٹال رہا ہوں۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا۔ غیب سے آواز آئی کہ ہم نے اس کو ایمان بخشا اگر تم چاہو تو اس کو زندہ کردیں بلکہ سب مرے ہوؤں کو زندہ کردیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ باری تعالیٰ یہ دنیا تو فانی ہے اس دنیا میں چند دنوں کے لئے لوٹ آنے سے کیا فائدہ، ہاں تو ان سب پر اپنی رحمت کر اور ان کو بخش دے۔